B9ED111DST

اردو کی تدریسیات

(Pedagogy of Urdu)

فاصلاتی اور روایتی نصاب پر مبنی خود اکتسابی مواد

برائے

بیچلر آف ایجوکیشن

(سمسٹر اول)

نظامتِ فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی،

حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

© مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

کورس۔ بیچلر آف ایجوکیشن

ISBN: 978-93-80322-19-3
First Edition: August, 2018
Second Edition: July, 2019
Third Edition: March, 2021

ناشر	:	رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد
اشاعت	:	مارچ، 2021
تعداد	:	1000
کمپوزنگ	:	ڈاکٹر محمد اکمل خان
مطبع	:	کرشک پرنٹ سولیوشنس، حیدرآباد

اردو کی تدریسیات

(Pedagogy of Urdu)

for B.Ed. 1st Semester

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), Bharat

Director: dir.dde@manuu.edu.in **Publication:** ddepublication@manuu.edu.in

Phone: 040-23008314 **Website:** manuu.edu.in

مجلس ادارت۔ اشاعت اول و دوم

(Editorial Board-1st and 2nd Edition)

مضمون مدیر

(Subject Editor)

Prof. Moshahid
Department of Education & Training
Maulana Azad National Urdu University

پروفیسر مشاہد
شعبۂ تعلیم و تربیت
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

زبان مدیر

(Language Editor)

Prof. Mohd. Zafaruddin
(Director)Direcotrate of Translation & Publication
Maulana Azad National Urdu University

پروفیسر محمد ظفرالدین
ڈائریکٹر، ڈائریکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

گچی باؤلی، حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

فاصلاتی اور روایتی نصاب پر مبنی خود اکتسابی مواد

(SLM Based on Distance & Regular Mode Synchronized Syllabus)

مجلسِ ادارت

(Editorial Board)

مضمون مدیران

(Subject Editors)

Prof. Mushtaq Ahmed I. Patel
Professor, Education (DDE)

پروفیسر مشتاق احمد آئی ۔ پٹیل
پروفیسر، تعلیم (ڈی ڈی ای)

Dr. Najmus Sahar
Associate Professor, Education (DDE)

ڈاکٹر نجم السحر
اسوشی ایٹ پروفیسر، تعلیم (ڈی ڈی ای)

Dr. Sayyad Aman Ubed
Associate Professor, Education (DDE)

ڈاکٹر سید امان عبید
اسوشی ایٹ پروفیسر، تعلیم (ڈی ڈی ای)

Dr. Banwaree Lal Meena
Assistant Professor, Education (DDE)

ڈاکٹر بنواری لال مینا
اسسٹنٹ پروفیسر، تعلیم (ڈی ڈی ای)

زبان مدیران

(Language Editors)

Professor Abul Kalam
Director, DDE

پروفیسر ابوالکلام
ڈائریکٹر، ڈی ڈی ای

Dr. Mohd Akmal Khan
Guest Faculty, Urdu (DDE)

ڈاکٹر محمد اکمل خان
گیسٹ فیکلٹی، اردو (ڈی ڈی ای)

نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
گچی باؤلی، حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

پروگرام کوآرڈی نیٹر

ڈاکٹر نجم السحر ، اسوسی ایٹ پروفیسر (تعلیم)
نظامتِ فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین:	**اکائی نمبر**
ڈاکٹر نہال احمد انصاری، اسسٹنٹ پروفیسر، کالج آف ٹیچر ایجوکیشن، آسنسول	اکائی 1
ڈاکٹر محمد مظفر حسین خان، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ تعلیم وتربیت، حیدرآباد	اکائی 2
پروفیسر محمد مشاہد، شعبۂ تعلیم وتربیت، حیدرآباد	اکائی 3
ڈاکٹر محمد مظفر حسین خان، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ تعلیم وتربیت، حیدرآباد	اکائی 4
ڈاکٹر ریاض احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، کالج آف ٹیچر ایجوکیشن، سنبھل	اکائی 5

پروف ریڈرس:

اول : جناب اشرف نواز
دوم : ڈاکٹر محمد اکمل خان
سوم : ڈاکٹر نجم السحر

سرورق : ڈاکٹر محمد اکمل خان

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورآرڈی نیٹر	9
اکائی 1:	زبان اور زبان کی اہمیت	11
اکائی 2:	اردو زبان وادب	30
اکائی 3:	تدریس اور تدریس کے طریقۂ کار	42
اکائی 4:	اردو زبان کی بنیادی مہارتوں کی تدریس	61
اکائی 5:	اردو زبان کی تدریس ومنصوبہ بندی	71
	نمونہ امتحانی پرچہ	**108**

پیغام

وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے جس ایکٹ کے تحت مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے اُس کی بنیادی سفارش اُردو کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کا فروغ ہے۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو ایک طرف اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد بناتا ہے تو دوسری طرف ایک امتیازی وصف ہے، ایک شرف ہے جو ملک کے کسی دوسرے اِدارے کو حاصل نہیں ہے۔ اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ بھی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت رسائل و اخبارات کی اکثریت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہماری یہ تحریریں قاری کو کبھی عشق و محبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُر سیاسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں، کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ شکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔ تاہم اُردو قاری اور اُردو سماج آج کے دور کے اہم ترین علمی موضوعات چاہے وہ خود اُس کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، وہ جن مشینوں اور آلات کے درمیان زندگی گزار رہا ہے اُن کی بابت ہوں یا اُس کے گرد و پیش اور ماحول کے مسائل ہوں۔ وہ ان سے نابلد ہے۔ عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے جس کا مظہر اُردو طبقے میں علمی لیاقت کی کمی ہے۔ یہی وہ مبارزات (Challanges) ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح کی اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم ہی اُردو ہے اور اس میں علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمے داری ہے۔ چوں کہ اسی مقصد کے تحت اردو یونیورسٹی کا آغاز فاصلاتی تعلیم سے 1998 میں ہوا تھا۔ احقر کو اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اس کے ذمے داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور قلم کاروں کے بھرپور تعاون کے نتیجے میں کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کم سے کم وقت میں خود اکتسابی مواد اور خود اکتسابی کتب کی اشاعت کے بعد اِس کے ذمے داران، عام اردو قارئین کے لیے بھی علمی مواد، آسان زبان میں تحریر کرا کے کتابوں کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کریں گے تا کہ ہم اِس یونیورسٹی کے وجود اور اِس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کر سکیں۔

پروفیسر ایس ایم رحمت اللہ
وائس چانسلر، انچارج
مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

پیغام

آپ تمام بخوبی واقف ہیں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا باقاعدہ آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈویژن سے ہوا تھا۔ 2004 میں باقاعدہ روایتی طرزِ تعلیم کا آغاز ہوا۔ متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بی (UGC-DEB) اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کماحقہٗ ہم آہنگ کر کے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بند کر کے خود اکتسابی مواد (SLM) از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھے بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جا رہے ہیں۔

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفیض ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ اِس طرح سے یونیورسٹی نے روایتی طریقۂ تعلیم سے پہلے فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے اردو آبادی تک تعلیم پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے پہل یہاں کے تدریسی پروگراموں کے لیے امبیڈکر یونیورسٹی اور اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کے نصابی مواد سے من وعن یا ترجمے کے ذریعے استفادہ کیا گیا۔ ارادہ یہ تھا کہ بہت تیزی سے اپنا نصابی مواد تیار کرا لیا جائے گا اور دوسری یونیورسٹیوں کے مواد پر انحصار ختم ہو جائے گا، لیکن ارادہ اور کوشش دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہو پائے، جس کی وجہ سے اپنے خود اکتسابی مواد کی تیاری میں اچھی خاصی تاخیر ہوئی۔ بالآخر منظّم اور جنگی پیمانے پر کام شروع ہوا، جس کے دوران میں قدم قدم پر مسائل پیش آئے۔ مگر کوششیں جاری ہیں، نتیجتاً بہت تیزی سے یونیورسٹی نے اپنے نصابی مواد کی اشاعت شروع کر دی ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلا رہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور 5 ذیلی علاقائی مراکز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح اور امراوتی) کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 155 متعلم امدادی مراکز کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ ڈی ڈی ای نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جا رہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔

پروفیسر ابوالکلام

ڈائرکٹر، نظامتِ فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

انسانی زندگی میں سیکھنے اور سکھانے کا عمل روزِ اول سے ہی جاری و ساری ہے۔ ہر ایک انسان اپنی زندگی میں کچھ نہ کچھ سیکھتا ہے اور سیکھنے کے مختلف ذرائع ہوتے ہیں۔ ان تمام ذرائع میں معلم کا رول ایک کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ تعلیم و تعلّم اور معلومات کا حصول بغیر معلّم کے ممکن نہیں۔ اس لیے موجودہ دور میں معلّم کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ تدریسی فرائض انجام دینے کے لیے معلم کے لیے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ طلبہ کی تمام تر صلاحیتوں بالخصوص ذہنی، جسمانی، دلچسپی، رجحانات اور رویّوں وغیرہ سے بہتر طور پر واقف ہوں تا کہ اسی مناسبت سے موادِ مضمون کا انتخاب کیا جا سکے اور ساتھ ہی ساتھ مناسب اور موزوں طریقہ تدریس اپنایا جائے جس سے معلّم کی پڑھائی ہوئی چیزوں کو طلبہ بہتر طور پر سمجھ سکیں اور درس و تدریس ایک کامیاب عمل بن سکے۔

یہ کورس پانچ اکائیوں پر مشتمل ہے۔

پہلی اکائی میں زبان کا مفہوم، فطرت، زبان کی خصوصیات، زبان کی اقسام اور زبان کے افعال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بولی، زبان اور مادری زبان کے تصوّر کو واضح کیا گیا ہے نیز بولی اور زبان کے درمیان فرق کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت و افادیت پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

دوسری اکائی کا تعلق اردو زبان و ادب سے ہے جس میں ادب کے مفہوم اور ادب کا زندگی کے ساتھ رشتہ واضح کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اردو کی مختلف اصناف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اردو زبان کے آغاز و ارتقا کے مختلف نظریات بھی شامل کیے گئے ہیں اور ہندوستانی آئین میں اردو زبان کے مقام و مرتبہ کا تعین بھی کیا گیا ہے۔

تیسری اکائی میں تدریس کا مفہوم، اہمیت نیز ایک معیاری تدریس کی خصوصیات واضح کی گئی ہیں ساتھ ہی ساتھ تدریس کے عام اور اقدامی اصول بھی بیان کیے گئے ہیں اور آخر میں تدریس کے مختلف طریقوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

چوتھی اکائی میں اردو زبان کی بنیادی مہارتوں کی تدریس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے جن میں سننا، بولنا، پڑھنا اور لکھنا سکھانے کے تدریسی طریقے اور ان تمام مہارتوں کو فروغ دینے کی مختلف سرگرمیاں شامل ہیں۔

آخری اکائی کا تعلق اردو زبان کی تدریس و منصوبہ بندی سے ہے۔ اس اکائی میں اردو زبان کی تدریس کے عام و خاص مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ثانوی سطح پر تدریس اردو (نثر، نظم و قواعد) کے مقاصد واضح کیے گئے ہیں۔ بلوم کا پیش کردہ تدریسی مقاصد اور ان کی درجہ بندی کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور آخر میں منصوبہ سبق اور خرد تدریس کے تصور کو واضح کیا گیا ہے۔

الغرض اس کورس میں اردو زبان کی تدریس کے وہ تمام تر لوازمات کو شاملِ نصاب رکھا گیا ہے جن کی معلومات ایک اردو معلّم کے لیے از حد ضروری ہے۔

اردو کی تدریسیات

اکائی 1۔ زبان اور زبان کی اہمیت

اکائی کے اجزا؛

1.1 تمہید

1.2 مقاصد

1.3 زبان

1.3.1 زبان کا مفہوم

1.3.2 زبان کی فطرت

1.3.3 زبان کی خصوصیات

1.4 زبان کی اقسام

1.4.1 اشاروں کی زبان

1.4.2 آوازوں کی زبان

1.4.3 علامتوں کی زبان

1.5 زبان کے افعال

1.5.1 مافی الضمیر کے اظہار کا وسیلہ

1.5.2 رابطہ کا ذریعہ

1.5.3 تمدن کی ترسیل کا ذریعہ

1.6 بولی

1.7 زبان

1.8 مادری زبان

1.9 بولی اور زبان کے درمیان فرق

1.10 انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت

1.11 یاد رکھنے کے نکات

1.12 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں

1.13 فرہنگ

1.14 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں

1.15 تجویز کردہ مواد

1.1 تمہید

ہماری زندگی میں زبان کی بہت ہی زیادہ اہمیت ہے۔ ہم اپنے جذبات وخیالات کا اظہار زبان کے ذریعہ کرتے ہیں بلکہ اس کی ترسیل کا کام بھی زبان کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔قدیم زمانے میں علم کو عام لوگوں تک پہنچانے کا واحد ذریعہ زبان تھی۔اور آج بھی زبان کے ذریعہ علم کو عام لوگوں تک پہنچانے میں مدد ملتی ہے اور آنے والی نسلوں کو بھی اس سے فائدہ حاصل ہوتا رہے گا۔زبان کا استعمال بات چیت،ادب، نثر نگاری وشاعری میں ہوتا ہے جو انسانی زندگی کی تہذیبی قدروں کی ترجمانی وتحفظ کرتی ہیں اسکے علاوہ تہذیب وثقافت،علوم وفنون کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے میں زبان کا بہت ہی اہم رول ہے۔

انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت سے کسی فرد کو انکار نہیں ہوسکتا ہے۔ذرا آپ سوچیے کہ اگر زبان نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔کیا انسان اپنی باتوں کو ایک دوسرے سے کہہ پاتا؟ بالکل نہیں۔اس سے یہ بات نکل کر سامنے آتی ہے کہ انسان اور حیوان میں اگر کوئی چیز فرق پیدا کرتی ہے تو وہ زبان ہے۔زبان کا استعمال عام لوگ بات چیت، دکھ سکھ،خوشی وغم کے اظہار وترسیل میں کرتے ہیں۔جبکہ صاحب علم اس کا استعمال ادب، شاعری،نثر نگاری، تجزیہ اور غور وفکر کے لیے استعمال کرتے ہیں۔قدیم زمانے میں علم کو عام لوگوں تک پہنچانے میں زبان کا ہی استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ اس وقت نہ چھپی ہوئی کتابیں تھیں نہ قلم وکاپی۔آج بھی زبان کے ذریعہ علم کو عام لوگوں تک پہنچانے میں مدد ملتی ہے۔زبان انسانی زندگی کی تہذیبی قدروں کی ترجمانی کرتی ہے اور تحفظ بھی۔اس کے علاوہ تہذیب وثقافت کی ترسیل میں مدد کرتی ہے۔علوم وفنون،تہذیب و ثقافت کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے میں زبان کا بہت ہی اہم رول ہوتا ہے۔زبان انسانی شعور کو نکھار بخشتی ہے اور اس کی شخصیت کو اعلیٰ بناتی ہے۔

1.2 مقاصد

اس اکائی کو مکمل کرنے کے بعد:

☆ آپ زبان کے مفہوم،اس کی اہمیت وافادیت اور اس کی قسموں کے بارے میں واقف ہو جائیں گے۔

☆ بولی وزبان کے فرق کو سمجھ جائیں گے۔

☆ مادری زبان کے مفہوم واہمیت کو جان جائیں گے۔اور

☆ ادب کی زندگی میں اہمیت کو سمجھ جائیں گے۔

1.3 زبان

1.3.1 زبان کا مفہوم؛

زبان بولیوں کے مجموعہ کا نام ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسری مخلوقات سے صرف زبان کی وجہ سے امتیاز بخشا ہے۔زبان ہماری زندگی میں بہت ہی اہم رول ادا کرتی ہے اس لیے اس کی اہمیت کو زمانہ قدیم سے مانا گیا ہے۔کیونکہ انسان زبان کی وجہ سے بات چیت کے ذریعہ اپنے احساسات،خیالات، جذبات اور مافی الضمیر کو بہتر طریقے سے ادا کرسکتا ہے۔اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بات چیت کرنے ،اپنے

خیالات، احساسات، جذبات وتجربات کولفظوں کے سانچے میں ڈھال کر بولنے کے طریقوں کو زبان کہتے ہیں۔
زبان کی پیدائش کے متعلق مختلف نظریات پیش کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زور اس کی مزید تفصیل کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

''زبان کی واضح تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ زبان انسانی خیالات اور احساسات کی پیدا کی ہوئی ان تمام عضوی اور جسمانی حرکتوں اور اشاروں کا نام ہے جن میں زیادہ تر قوت گویائی شامل ہیں اور جن کو ایک دوسرا انسان سمجھ سکتا ہے۔ اور جس وقت چاہے اپنے ارادے سے دہرا سکتا ہے۔''

(زبان کی ماہیئت، آغاز وتشکیل)

سید احتشام حسین نے 'ہندوستانی لسانیات کا خاکہ' میں لکھا ہے:

''یہ بتانا تو بہت مشکل ہے کہ زبان کسے کہتے ہیں لیکن کچھ سمجھنے کے لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان آوازوں کے ایک ایسے مجموعے کا نام ہے جسے انسان اپنا خیال دوسروں پر ظاہر کرنے کے لیے ارادتاً نکالتا ہے۔''

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے زبان کو " آوازوں اور لفظوں کا مجموعہ " کہا ہے۔ ان کے نزدیک زبان بامعنی آوازوں اور لفظوں کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں، جس میں انسان اپنے خیالات واحساسات اور جذبات کو ضرورت کے مطابق دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ اور وہ بے معنی یا لغو نہیں ہوتا۔

زبان کی پیدائش کب ہوئی، کہاں ہوئی، کیسے ہوئی اس پر مختلف ماہر لسانیات کے اپنے الگ الگ نظریے ہیں مگر ایک بات صاف ہے کہ کوئی بھی بچہ ماں کے پیٹ سے زبان سیکھ کر پیدا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے ماحول و معاشرے میں رہ کر زبان کو سیکھتا ہے اسی طرح ابتدائی انسانوں نے بھی زبان سیکھی ہوگی۔ زبان ایک حد تک انسان کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ اس خدا داد صلاحیت کو اپنی فطرت اور عضوی خصوصیات کی مدد سے ظاہر کرتا ہے۔ زبان کی تشکیل وارتقا براہ راست انسانی خیالات کے ارتقا پر منحصر ہے۔ اس بات کو احتشام حسین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زبان کی پیدائش میں ارادوں کا بہت زیادہ دخل ہے۔

دنیا کی موجودہ زبانوں میں ایسی کوئی بھی زبان نہیں ہے جس کی پیدائش ایک نسل کے بطن سے ہوئی ہو۔ یا وہ کسی ایک قوم کی گود میں پلی بڑھی ہو بلکہ زبان کی ارتقا رفتہ رفتہ صدیوں میں ہوئی ہے۔ کوئی بھی زبان صرف ایک قوم کے گہوارہ وتمدن میں پرورش بھی نہیں پاتی ہے بلکہ کئی قومیں مل کر اس کی پرورش و پرداخت کرتی ہیں۔ ہر زبان کے جاننے والوں میں ایسے لوگ گزرے ہیں جنھوں نے زبان کا مطالعہ کیا اور قومی و مذہبی خدمات انجام دیئے۔ وہ ہمارے لیے ہمیشہ رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ کوئی بھی زبان اس وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک اسکے اندر تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں اور یہ تبدیلیاں مختلف راستوں سے آتی ہیں جو زبان کو ترقی بخشتی رہتی ہیں جن سے ایک عرصے بعد اس کے قدیم اور جدید صورتوں کے درمیان مشابہت بہت کم رہ جاتی ہے جسے ماہر لسانیات اور محقق بھی پہچاننے میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔

بولی اور زبان کے درمیان فرق کے بارے میں مختلف ماہر لسانیات مختلف نظریہ رکھتے ہیں مگر ابھی تک کوئی بھی ماہر لسانیات بولی اور زبان کے درمیان واضح اور مفصل فرق نہیں بتا پایا۔ گیان چند جین نے اپنی کتاب "لسانی مطالعہ " میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ بولی ہی

ترقی کرکے زبان کی شکل اختیار کرتی ہے اور زبان بننے سے پہلے اور بعد میں دوسری زبانوں سے سرمایہ الفاظ وترکیبیں حاصل کرتی ہے۔ اس کی لغت اور قواعد سے بھی اثر قبول کرتی ہے۔ ہر تحریری زبان کا آغاز کسی نہ کسی بولی سے ہوا ہے۔ بولیاں خود بھی ایک دوسرے پر اپنے اثرات ڈالتی ہیں۔ ان میں سے کئی بولیاں ترقی یافتہ قوم یا علاقے سے تعلق رکھتی ہیں جو اپنے مقابلے کسی دوسری بولی پر سبقت حاصل کر لیتی ہیں اور زبان بننے کی طرف اپنے قدم بڑھا دیتی ہیں۔ اس دوران وہ دوسری بولیوں سے الفاظ وترکیبیں لیتی ہیں۔ جیسے جیسے وہ ترقی کرتی ہیں ویسے ہی ان کی پہچان بول چال کی دوسری زبانوں سے الگ ہو جاتی ہے۔ اور وہ دھیرے دھیرے تحریری وادبی زبان بننے کی طرف گامزن ہو جاتی ہے۔

ماہر لسانیات کی نظر میں زبان سے مراد آوازیں ہیں جو منہ سے ادا کی جائیں اور سنائی دیں۔ زبان کے ذریعہ انسان اپنے خیالات، جذبات واحساسات کا اظہار سماج میں کرتا ہے۔ ہنری سیوٹ ''تکلمی آوازوں کے ذریعہ خیالات کے اظہار کرنے کو زبان کہتا ہے''۔ ایک دوسرے ماہر لسانیات کا ماننا ہے کہ زبان ملفوظ آوازوں کی وہ علامتیں ہیں جن کے ذریعہ ایک انسان دوسرے انسان پر اپنی خواہشات اور خیالات کو ظاہر کرتا ہے۔ زبان کے ذریعہ انسان ایک دوسرے سے کلام کرتا ہے۔ انسان سماج میں رہتا ہے اور اس لیے اسے ایک سماجی حیوان کہا جاتا ہے۔ زبان سماجی زندگی میں خیالات کے اظہار وترسیل کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور یہی ضرورتیں زبان کو پیدا کرتی ہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں کوئی نہ کوئی زبان پروان چڑھی۔ کیونکہ انسان کی سماجی ومعاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے زبان کا سہارا ضروری ہے۔ پروفیسر انعام اللہ خاں شیروانی فرماتے ہیں:

> ''زبان صرف انسان کے خیالات کے اظہار کا اہم اور مرکزی ذریعہ ہی نہیں بلکہ ایک نسل سے دوسری نسل کی تہذیب کی ترسیل کے لیے بھی لازم اور ضروری ہے۔''

دنیا کی کوئی بھی زبان اچانک وجود میں نہیں آتی ہے۔ بلکہ یہ ایک طویل مرحلوں اور تہذیبی عمل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اسی کے ذریعہ انسان کے شعور کی تربیت ہوتی ہے اور تہذیب پروان چڑھتی ہے۔ انسان جو غور وفکر کرتا ہے اس کے اظہار کے لیے زبان کا ہی سہارا لیتا ہے۔ زبان سیکھنا ایک اکتسابی عمل ہے جو انسان سماج میں رہ کر کرتا ہے۔ فرد کی نشوونما کے ساتھ ساتھ زبان کا سیکھنا بھی جاری رہتا ہے جو اسے سماجی ماحول سے ملتا ہے۔ زبان کی تعلیم انسان کے نقطۂ نظر اور شخصیت میں وسعت پیدا کرتی ہے۔

ہنری سوئم کے خیال میں آوازوں کے ذریعہ مفہوم کا ہر اظہار لازمی طور پر زبان نہیں کہلاسکتا۔ زبان لفظ نہیں بلکہ جملہ ہے۔ علمائے زبان نے زبان کی اکائی لفظ کو نہیں بلکہ جملہ کو قرار دیا ہے۔ زبان جب تک جملوں کے ادا کرنے کے مرحلے کو نہ پہنچے وہ خیال کے اظہار کا آلہ نہیں بن سکتی۔ جانوروں کی بولیاں اس مرحلے میں نہیں ہوتیں۔ وہ صرف آوازوں کے ذریعہ انفرادی تصورات کو ظاہر کر سکتے ہیں لیکن وہ ان آوازوں کو جوڑ کر مفہوم کو ظاہر نہیں کر سکتے۔

زبان کا ارتقا:

زبان ارتقا پذیر ہوتی ہے۔ دنیا کی دوسری چیزوں کی طرح زبان میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یوں کہیے کہ زبان میں تبدیلی اس کی فطرت میں شامل ہے تو غلط نہیں ہوگا۔ یہ تبدیلی زبان کی اصوات، الفاظ، قواعد کے اصول، شکل، جملوں کی بناوٹ، الفاظ کے معنوی نوعیت وغیرہ میں ہوتی رہتی ہے۔ اس کا پتہ ہمیں تب چلتا ہے جب ہم کسی زبان کی موجودہ شکل کا مقابلہ اس کی قدیم شکل سے کرتے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ کسی زبان میں بدلاؤ تیزی سے ہوتا ہے اور کسی میں دھیرے دھیرے۔ لیکن زبانوں میں بدلاؤ لازمی عمل ہے۔ ماہر لسانیات اسے ارتقا کا نتیجہ مانتے ہیں۔

ارتقا کے عوامل:

(i) جغرافیائی اثرات
(ii) سیاسی و معاشی و نسلی اثرات
(iii) تہذیبی اثرات
(iv) ذہنی اثرات

(i) جغرافیائی اثرات:

کوئی بھی لسانیات کا ماہر زبان پر جغرافیائی اثرات سے انکار نہیں کر سکتا۔ ریگستان کی زبان پہاڑی علاقوں کی زبانوں سے مختلف ہوتی ہے۔ اسی طرح بندرگاہوں کی زبان میدانی علاقوں سے مختلف ہوتی ہے۔ جب ہم مختلف علاقوں پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر علاقے میں الگ الگ زبان پائی جاتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علاقوں کے جغرافیائی حالات زبان پر اپنا گہرا اثر ڈالتے ہیں۔

(ii) سیاسی اور معاشی و نسلی اثرات:

سیاسی و معاشی وجوہات سے دو نسلوں کے لوگوں میں آپسی میل جول ہوتا ہے تو دونوں نسلوں کی زبانیں متاثر ہوتی ہیں۔ پھر دونوں نسلوں کی زبانیں آپس میں مل کر ایک نئی زبان پیدا کرتی ہیں۔ جو پہلے کی دونوں زبانوں سے زیادہ منظّم ہوتی ہے اور سادہ بھی۔ اس کی مثال اردو زبان خود ہے۔ اگر دونوں زبانیں مختلف خاندان سے تعلق رکھتی ہوں تو یہ صورت اور بھی زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔

(iii) تہذیبی اثرات:

کسی بھی قوم کی زندگی میں مذہب و تہذیب کا بہت بڑا اثر رہتا ہے۔ مذہب قوموں کے درمیان بندھن کا کام کرتا ہے۔ بعض قوموں میں تو ادب کی ابتدا مذہبی تحریروں سے ہوئی ہے۔ اکثر جگہوں پر کسی مذہبی تحریک کی بدولت ادب میں نیا عہد شروع ہوتا ہے۔ قرآن خود اس کی مثال ہے۔ اس کے ساتھ مختلف جگہوں کی تہذیب کا بھی زبان پر اثر پڑتا ہے۔

زبان کے آغاز کے متعلق نظریات:

زبان کا آغاز و ابتدا کہاں سے ہوا؟ کب ہو؟ اس پر مختلف ماہر لسانیات نے مختلف نظریے پیش کیے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ دنیا کی ساری زبانیں کسی ایک مذہب سے پیدا ہوئی۔ جسے خلقی نظریہ (Monogenetic Theory) کہا جاتا ہے۔ تو کسی کا نظریہ یہ ہے کہ زبانوں کی ابتدا دنیا کے مختلف حصوں میں آزادانہ طور پر ہوئی، اس نظریہ کو کثیر خلقی نظریہ کہتے ہیں۔ اگر ہم زبان کے آغاز و ابتدا پر غور و فکر کرتے ہیں تو سب سے پہلے جو بات ذہن میں آتی ہے کہ نسل انسانی سب سے پہلے کہاں پیدا ہوئی۔ کیا نسل انسان کی پیدائش دنیا میں ایک جگہ ہوئی یا مختلف جگہوں پر؟ اور زبانیں بنیں کیسے؟

دنیا کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں اور بولیاں بولی جاتی ہیں۔ اس بات کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہم ایک علاقے سے دوسرے علاقے جاتے ہیں۔ اگر ہم ہندوستان کی ہی بات کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں نہ صرف رہن سہن، کھانا پینا اور تہذیب و تمدن کا فرق ہے بلکہ بول چال کے طریقے اور زبانوں میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ زبان کی پیدائش سے متعلق جو مختلف

نظریے پیش کیے گئے ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

☆ **فطری نظریہ:**

افلاطون اپنے مجموعہ مکالمات (Cratylus) میں لفظوں کے آغاز پر بحث کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ شئے کے نام میں کوئی نہ کوئی فطری تعلق ہوتا ہے۔ اس پر Pythogorus اور Herokritos کی بھی رائے کچھ اسی طرح کی ہے۔ مگر جب ہم مختلف علاقوں کی مختلف زبانوں کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی شئے کے مختلف زبانوں میں مختلف اسماء ہیں۔ اس لیے یہ بات قابل قبول نہیں لگتی۔

☆ **الہامی نظریہ:**

اس نظریہ کے ماننے والے زبان کے آغاز کو الہامی قرار دیتے ہیں۔ مختلف مذاہب کے ماننے والے زبان کے آغاز کو اپنی مذہبی کتاب اور اس کی زبان سے جوڑتے ہیں۔ اس نظریہ کو بھی صحیح نہیں مانا جا سکتا کیونکہ اگر زبانیں الہامی ہوتیں تو ان میں بے ترتیبی نہیں پائی جاتی۔ یہ نظریہ قدیم ترین نظریہ مانا جاتا ہے۔ اور یہ مذہبی نظریہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مسلمان عربی زبان کو آسمانی یا الہامی زبان مانتے ہیں۔ اسی طرح سنسکرت، پالی الہامی زبانیں مانی جاتی ہیں۔

☆ **فجائی نظریہ:**

اس نظریہ کو میکس ملر نے 'پوہ پوہ' کا نظریہ کہا۔ اس نظریہ میں یہ مانا گیا کہ انسان کے جذبات کی شدت کے وجہ سے منھ سے کوئی آواز نکل جاتی ہے جیسے اُف، آہ وغیرہ اور یہی آوازیں زبان بنی' یہ نفسیاتی نظریہ ہے۔ اس نظریے کے مطابق' چیزوں کے مشاہدے سے دل میں مختلف طرح کے احساسات و جذبات پیدا ہوتے ہیں جو مختلف آوازوں کی شکل میں باہر نکلتے ہیں۔ اس کو ماہر لسانیات نے رد کر دیا کیونکہ ان سے لفظ بنانا مشکل ہے۔

☆ **اشیا کی جھنکار کا نظریہ:**

اس میں مختلف اشیا کی جھنکار کی آوازوں کو زبان کا آغاز مانا گیا ہے جیسے ٹن ٹن۔ چھن چھن وغیرہ۔ یہ نظریہ بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اشیا کی جھنکار سے سبھی چیزوں کا نام نہیں بنایا جا سکتا۔ اور کبھی کبھی اشیا کا نام اس کی جھنکار کی آواز سے مختلف ہوتی ہیں۔ یا پھر جن چیزوں میں جھنکار نہیں ہے ان کے نام کیسے رکھے جائیں گے۔

☆ **مادوں کا نظریہ:**

پروفیسر ہنرے کے شاگرد ڈاکٹر اسٹائن تھال نے اس نظریہ کو شائع کیا۔ ان کا ماننا تھا کہ آواز اور معنی میں ایک رشتہ ہے۔ جب کسی بھی شئے پر ضرب لگائی جاتی ہے تو اس میں سے ایک خاص قسم کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اسے سن کر انسان اسی طرح کی آواز نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح کی کوششوں سے زبان کی ابتدا ہوئی۔ اس نظریہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ صوت اور اس کے مفہوم میں ایک خاص تعلق چھپا ہوا ہے۔

☆ **ہائی سو نظریہ:**

یہ نظریہ بنیادی طور پر جسمانی محنت کشوں سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی مزدور اور کام گاروں سے۔ جب بھی کوئی مزدور یا کام گار کوئی بھاری بوجھ اٹھاتا ہے یا کوئی جسمانی قوت والا کام کرتا ہے تو کام کو آسان یا ہلکا کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی آواز منھ سے نکالتا ہے جیسے کھینچتے وقت ہو ہو یا ہیّا ہیّا وغیرہ۔ اس نظریے کو نوارے (Noire) نے دیا۔ اس نظریہ کے ماننے والوں کا کہنا ہے کہ انہیں آوازوں سے لفظ بنے مگر یہ نظریہ قابل قبول نہیں لگتا۔

☆ **معاہدے کا نظریہ:**

اس نظریہ میں زبان کا آغاز انسانوں کے باہمی تعلقات ورشتے سے جوڑا جاتا ہے۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں ارسطو نے زبان کو باہمی قول کا نتیجہ قرار دیا۔ بعد میں 1754ء میں روسو (Rousseau) نے اس پر روشنی ڈالی اور ایک کتاب بھی Social Contact لکھی اور اس نے اس بات کی طرح زبان کو بھی معاہدے کا نتیجہ قرار دیا۔ اس نظریہ میں مانا جاتا کہ قدیم زمانے میں جب انسان ایک جگہ جمع ہوئے تھے تو آپسی گفتگو سے زبان نکلی۔ وہ مل جل کر اشیا کا نام اتفاق رائے سے رکھتے تھے جس سے مختلف زبانیں پیدا ہوئیں۔

☆ **صوت تقلیدی نظریہ:**

عام طور پر بچے جانوروں کی آوازوں سے ان کے نام کو جوڑ دیتے ہیں جیسے بھوں بھوں، میں میں اور انہیں سے الفاظ بنائے گئے مگر یہ بھی نظریہ تسکین بخش نہیں لگتا۔ یہ مانتے ہیں کہ الفاظ فطری اصوات کی نقل سے بنا ہے جیسے بچے جانوروں یا دوسری چیزوں کی آواز سن کر نقل کر کے بولتے ہیں جس سے دھیرے دھیرے زبان بنتی ہے۔

☆ **ہنری سپوٹ کا نظریہ:**

انیسوی صدی کے ماہر لسانیات ہنری سپوٹ نے کئی نظریوں کی مدد سے اپنا ایک الگ نظریہ قائم کیا۔ ان کے مطابق ابتدا میں زبان اشاروں اور اصوات پر مشتمل تھی۔ اور انہیں سے زبان پیدا ہوئی۔ انہوں نے ابتدائی الفاظ کو تین قسموں میں ذکر کیا۔

(i) نقل اصوات۔ مختلف جانوروں کی آوازوں سے زبان کی ابتدا کو مانا جاتا ہے۔ جیسے کاؤں کاؤں سے کوا، میاؤں میاؤں سے بلی وغیرہ۔

(ii) فجائی الفاظ۔ شدت وجذبات کی وجہ سے انسان کے منہ سے بے ساختہ نکلی ہوئی آوازیں جیسے ہائے، اف وغیرہ۔

(iii) رمزی الفاظ۔ اسمیں الفاظ کے معنی اتفاق یا کسی تعلق سے اخذ کر کے لیے جاتے ہیں جیسے ماما، دادا، نانا وغیرہ۔

موجودہ زمانے کے ماہر لسانیات زبان کے آغاز کے بارے میں قدیم نظریات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور انہیں محض قیاس آرائی سمجھتے ہیں۔ زبان نہ تو خود بخود ذہنوں میں کود پڑی اور نہ ہی خدا کے ذریعہ انسان کے دماغ میں اتار دی گئی بلکہ مطالعے وتحقیق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زبان بھی منظم ارتقا کا نتیجہ ہے۔ ابتدائی زمانے میں یہ سادہ روپ میں تھی لیکن وقت کے ساتھ جیسے جیسے قومیں مہذب وشائستہ ہوتی گئیں زبانیں بھی ترقی کرتی گئیں۔

زبان وخیال ایک دوسرے سے آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ خیال کے بغیر زبان کا وجود ممکن نہیں۔ جب انسان کے دماغ میں طرح طرح کے نئے نئے خیالات پیدا ہوتے ہوں گے۔ انہیں خیالوں کے اظہار کرنے کی صلاحیت سے زبان پیدا ہوئی۔ یہ بات بھی کافی غور وخوض کے بعد تسلیم کر لی گئی ہے کہ اگر کرۂ ارض کے مختلف حصوں میں نسل انسانی کا ارتقا ہوا ہوگا تو زبانیں بھی ان کے ساتھ مختلف حصوں میں پیدا ہوئی ہوں گی۔ لیکن اگر انسان کا وجود یا ظہور ایک ہی مقام پر ہوا ہوگا تو ابتدا میں ایک زبان پیدا ہوئی ہوگی۔ اور جب انسان دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلتا چلا گیا ہوگا تو زبان بھی ان کے ساتھ پھیلتی چلی گئی ہوگی۔

1.3.2 زبان کی فطرت؛

زبان ہمیشہ حالات، وقت اور جگہ کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ کبھی تغیرات زمانہ سے ایک زبان سے کئی زبانیں پیدا ہو جاتی

ہیں۔زبان کی دوصورتیں ہیں:

(1) ظاہری صورت

(2) معنوی صورت

الفاظ کا استعمال خوبصورت تراکیب، لفظ ونثر وغیرہ یہ سب زبان کی ظاہری صورت ہیں جبکہ معنوی صورت میں الفاظ کی معنوی خوبیاں ہیں۔ اگر آواز اپنی معنوی حیثیت کو الفاظ کے ذریعہ اچھی طرح ادا نہ کرسکے تو ترسیل وابلاغ یعنی زبان کا اصل مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ الفاظ و معنی میں مناسبت، آپسی ربط وتعلق اور تال میل کے ذریعہ ہی زبان کا دائرہ وسیع ہوتا ہے۔ وقت اور جگہ کے مطابق زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں کبھی اشتراک پایا جاتا ہے، کبھی اختلاف اور کبھی یکسانیت۔

زبان چونکہ جذبات، خیالات اور احساسات کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اس لیے زبان کی کیفیت کم وبیش انسان وحیوان دونوں میں پائی جاتی ہے۔ مگر انسانوں میں یہ شئے بالکل مختلف انداز میں پائی جاتی ہے۔ چونکہ زبان کے دو مفہوم ہیں پہلا آواز اور دوسرا اشارہ۔ انسان میں زبان کی یہ دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں جبکہ جانور صرف آواز کا استعمال کرتے ہیں۔

1.3.3 زبان کی خصوصیات؛

زبان اپنی خصوصیات کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ یہ موروثی نہیں بلکہ ماحول کی دین ہوتی ہے۔ زبان اکتسابی ہے جو سماج میں رہ کر سیکھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوسطاً انسان دوسری زبانوں کو کوشش کرنے پر سیکھ جاتا ہے۔ زبان ایک سماجی شئے ہے جس کا استعمال سماج ہی میں کیا جاتا ہے۔ زبان کے ذریعہ ہی ترسیل وابلاغ کا کام بہتر طریقے سے انجام پاتا ہے۔

مندرجہ ذیل میں زبان کی چند خصوصیات درج کی جاتی ہیں:

(1) زبان کے ذریعہ ہم اپنے تجربات، مشاہدات اور فکر واحساسات کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

(2) زبان کے ذریعہ سماجی رشتے استوار کیے جاتے ہیں۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ دور میں دو قوموں یا دو ملکوں یا عالمی سطح پر امن و امان اور بھائی چارے کا فروغ زبان کے ذریعہ ہی ممکن ہو پایا ہے۔

(3) تہذیب وتمدن کا ارتقا زبان سے ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ جس ملک کی زبان جتنی ترقی کرتی ہے، اس ملک کی تہذیب بھی اتنی ہی ترقی پذیر ہوتی ہے۔

(4) زبان کی کوئی آخری صورت نہیں ہوتی بلکہ یہ لگاتار ارتقا کے مختلف مراحل سے گزرتی رہتی ہے۔

(5) زبان علوم وفنون کی حصولیابی کا ذریعہ ہے۔ زبان کے ذریعہ ہی علوم وفنون سیکھے جاتے ہیں اور نئی نسل بلندیوں کو حاصل کرتی ہے۔ نئی ایجادات ہوتی ہیں اور اسی کے ذریعہ مدارس ومکاتب میں درس وتدریس ممکن ہو پاتا ہے۔

اب آپ جان گئے ہوں گے کہ

(الف) زبان کی فطرت کیا ہے

(ب) زبان کی خصوصیات کون کون سی ہیں

1.4 زبان کی اقسام

انسان اپنی ذاتی، گھریلو اور سماجی ضرورتوں کے تحت نئی نئی چیزیں ایجاد کرتا رہا ہے۔ پہلے وہ اپنی ضروریات کے اظہار اور مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے لفظوں کا سہارا لیتا تھا، پھر اس نے آہستہ آہستہ ہاتھ، سر، آنکھ اور بھنوؤں کے اشارے سے اپنی باتوں کو کہنا شروع کر دیا۔ آگے چل کر انسانی قوت ادراک اور قوت تخیل نے بلندی پا کر آوازوں کی علامتوں کو بھی زبان کی طرح استعمال کرنا اور سمجھنا سیکھ لیا۔ موجودہ زندگی میں بار ہا ایسا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ تھوڑی سی آواز بہت زیادہ مفہوم ادا کر دیتی ہے جیسے چھوٹے بچے کے رونے کی آواز۔ یونہی ایک علامت نشان بھی ہے جیسے ریلوے پھاٹک پر لال بتی کا سگنل وغیرہ۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان کی تین قسمیں ہیں:

(1) اشاروں کی زبان

(2) آوازوں کی زبان

(3) علامتوں کی زبان

1.4.1 اشاروں کی زبان؛

انسان اپنے جسم کے اعضا کی حرکات کے ذریعے جب اپنے احساسات و جذبات اور خیالات کو دوسروں تک پہنچاتا ہے تو اسے ہم اشارہ کہتے ہیں۔ یہ مرحلہ زبان کی نشو ونما کا پہلا مرحلہ ہے۔ اس کا استعمال زمانہ قدیم سے ہوتا آرہا ہے بلکہ لسانیات کے ماہرین تو یہ مانتے ہیں کہ اشاروں کی زبان، آوازوں کی زبان اور علامتوں کی زبان سے کم و بیش دس لاکھ سال پرانی ہے۔ اور یہ بات حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ آج زبان جتنی ترقی یافتہ ہے اتنی زمانہ قدیم میں نہ ہوگی۔ اس لیے اشاروں کی زبان کا استعمال زیادہ ہوتا ہوگا۔ اشاروں کی زبان میں گفتگو یا تحریر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس میں انسان، آنکھ، سر یا ہاتھ کے اشارے سے اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

عام طور پر اشاروں کی زبان تین طرح کی ہوتی ہیں۔

(a) بصری جسے ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں جیسے چہرہ، آنکھ بھنوؤں کی جنبش، ہاتھ وغیرہ۔

(b) سماعت کرنا یعنی ایسے اشاروں کی آواز جنہیں ہم سنتے ہیں جیسے ہارن بجانا، دستک دینا، چٹکی بجانا وغیرہ۔

(c) لمس یعنی چھو کر اشارہ کرنا جیسے چٹکی کاٹنا، ہاتھ دبانا، کہنی مارنا وغیرہ۔

اگر اشاروں کی زبان کا عالم گیر سطح پر جائزہ لیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم سے لے کر آج تک اس کا استعمال عام طور پر کیا جا تا رہا ہے۔ مگر اشاروں کی زبان کے معنی بھی الگ الگ ملکوں اور خطوں میں الگ الگ ہوتے ہیں۔ جیسے شمالی ہند میں سر کو دائیں اور بائیں ہلانا ''نہیں'' کا اشارہ ہے۔ جب کہ جنوبی ہند میں اس کے معنی ''ہاں'' کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ غرض کہ ہر ملک میں اشارات کا اپنا اپنا نظام ہے۔ اشاروں کی زبان کا استعمال فوج میں آج بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ خاص کر جنگ کے وقت اشارات کی زبان بہت ہی مفید ثابت ہوتی ہے۔ اور فوجی اسے کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔

ہندوستانی ادب میں بھی اشاروں کی زبان کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ قواعد میں محاوروں، اشاروں کی زبان کثرت سے دیکھنے کو

ملتی ہے۔ جیسے انگوٹھا دکھانا، گردن جھکالینا وغیرہ۔ اشاروں کی زبان کا استعمال رقص وموسیقی، کلاسیکی ڈراموں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ غرض کہ اشاروں کی زبان کا استعمال ہماری زندگی میں وسیع پیمانے پر ہوتا ہے مگر اس کا حلقہ عمل بہت محدود ہے۔ اس میں دشواریاں بھی پیش آتی ہیں کیونکہ اشاروں کے مفہوم میں الگ الگ حلقے اور الگ الگ قوموں کے درمیان فرق دیکھا جاتا ہے جس سے سمجھنے میں مشکلات درپیش آتی ہیں۔ اشاروں کی زبان تحقیقی فکر میں بھی معاون نہیں ہوسکتی۔

اشاروں کی زبان میں گفتگو یا تحریر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ آنکھ، سر یا ہاتھ کے اشارے سے اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس زبان کا استعمال بات چیت کے دوران، درس وتدریس کے وقت اکثر وبیشتر کیا جاتا ہے۔ یہ زبان اپنے اندر بہت ہی وسعت رکھتی ہے۔ اس میں ہر وقت اور ہر حالات کے مطابق "خاموش الفاظ" یعنی پراثر اشارے موجود ہیں۔ ماہرین السنہ کے مطابق اشاروں کی زبان، آوازوں اور علامتوں کی زبان سے زیادہ پرانی ہے۔

1.4.2 آوازوں کی زبان؛

ابھی آپ نے اشاروں کی زبان کے بارے میں پڑھا۔ اشاروں کی زبان سماج میں آج بھی کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ لیکن اشاروں کی زبان گفتگو کی جگہ نہیں لے سکتی۔ آوازوں کی زبان کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسان کی آوازوں کو سن کر اس کے معنی سمجھتا ہے اور سیکھتا ہے۔ ایک نوزائیدہ بچہ جو بھی سیکھتا ہے وہ اپنے ماں باپ، بھائی بہن وگھر کے افراد کی آوازوں کو سن کر سیکھتا ہے یعنی ابتدا میں وہ آوازوں کی نقل کرتا ہے۔ انہیں آوازوں سے اس کو بولنے اور سننے کی تربیت ملتی ہے۔ وہ اشیا کو پہچاننا شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ زبان سیکھنے کا آغاز کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ گفتگو وتقریر جیسی دیگر مہارتوں پر عبور حاصل کرتا ہے۔ فجائی آوازوں کے ذریعہ محبت، نفرت، خوشی، رنج جیسی کیفیات کا اظہار کرنا بھی سیکھتا ہے۔

آوازوں کی زبان کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آواز سن کر ہم کسی کی بات کا اندازہ لگا لیتے ہیں دودھ پیتے بچے کی رونے کی آواز کا مطلب یہ ہے کہ اسے بھوک لگی ہے یا پیاس کی شدت ہے۔ یونہی دیوار کے پیچھے سے کسی کی آواز سن کر یہ پتہ لگا لینا کہ وہاں کوئی موجود ہے، ایسے ہی کسی ضرورت مند کی خاص آواز کے ذریعہ اس کی پریشانی کا اندازہ لگانا وغیرہ۔

1.4.3 علامتوں کی زبان؛

کسی لفظ یا آواز کو جب ایک خاص علامت یا معنی میں استعمال کیا جانے لگتا ہے تو وہ لفظ یا آواز اس معنی کے لیے علامت بن جاتا ہے اور وہ تحریر کی شکل لے لیتا ہے۔ لیکن تحریر میں الفاظ بے جان اور بے حس رہتے ہیں۔ یہی الفاظ جب زبان سے ادا ہونے لگتے ہیں تو اس میں جان آجاتی ہے اور اس کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے۔ تحریر میں لفظ کی صورت نہیں بدلتی مگر جب وہی الفاظ بول چال کے لیے استعمال ہونے لگتے ہیں تو موقع محل کے لحاظ سے اس کی صورت میں بدلاؤ دکھائی دیتا ہے۔ کبھی کبھی خاص نشانات جن کے کوئی معنی نہیں ہوتے مگر علامت کے طور پر استعمال کیے جانے سے ان کی اہمیت بڑھ جاتی ہے جیسے اسکول یا ریلوے پھاٹک کی نشان والی علامتیں وغیرہ۔

بعض دفعہ عام بول چال میں لفظوں کے اتار چڑھاؤ سے بھی کئی طرح کی علامت ظاہر ہوتی ہے جیسے ''اچھا'' لفظ اگر نرمی سے بولا

جائے تو رضا مندی اورغصہ سے یا چیخ کر بلند آواز میں بولا جائے تو ناراضگی وانکار ظاہر کرتا ہے۔اسی طرح رنج وخوشی ،نفرت ومحبت، پریشانی و سکون جیسی کیفیت کے اظہار کے لیے مخصوص چہرے کی بناوٹ بھی ایک طرح کی علامت ہے۔

کسی لفظ یا آواز کو جب ایک خاص علامت یا معنی میں استعمال کیا جانے لگتا ہے تو وہ لفظ یا آواز اس معنی کے لیے علامت بن جاتا ہے۔کبھی کبھی خاص نشانات جن کے کوئی معنی نہیں ہوتے علامت کے طور پر استعمال کیے جانے سے ان کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔جیسے پل یا ریلوے پھاٹک آنے سے پہلے کا نشان، ہاسٹل یا اسکول کی شناخت بتانے والی علامت وغیرہ۔

1.5 زبان کے افعال

انسانی زندگی میں زبان کی بہت اہمیت ہے۔اس کے بغیر ہمارا کوئی بھی کام اچھی طرح تکمیل نہیں پاسکتا۔گھر سے لے کر اسکول، بازار گویا کہ سبھی جگہ اس کی اہمیت مسلم ہے۔انسان کی انفرادی اوراجتماعی زندگی دونوں جگہ مافی الضمیر کی ادائیگی، احساسات وخیالات کی ترجمانی کے لیے زبان اول مقام رکھتی ہے۔

ذیل میں زبان کے چند افعال کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

1.5.1 مافی الضمیر کے اظہار کا وسیلہ؛

انسان اپنی شب وروز کی زندگی میں مختلف حالات اور معاملات کا سامنا کرتا ہے،کبھی اس کے اچھے تجربات ہوتے ہیں تو کبھی برے دور سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ایسے میں اس کے احساسات وخیالات اور مشاہدات وتجربات کا اندازہ صرف اس کی زبان کے ذریعہ ہی لگایا جاسکتا ہے۔اور جب تک انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار زبان کے ذریعہ نہ کرے، ہم کسی بھی طرح سے اس پر گزرنے والے حالات، اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے افکار وخیالات نہیں جان سکتے۔اس طرح سماجی، عوامی، قومی اور ملکی سطح کے مسائل سے باخبری بھی زبان کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔

1.5.2 رابطے کا ذریعہ؛

انسان سماج میں پیدا ہوتا ہے، اور پوری زندگی سماج میں رہ کر گزار دیتا ہے۔کوئی بھی انسان سماج سے الگ ہو کر نہیں رہ سکتا۔اور سماج میں رہنے کے لیے ایک دوسرے سے رابطہ ہونا ضروری ہے۔یہ رابطے کا کام صرف زبان کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔سماج کے دوفرد جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے خیالات واحساسات کو جانتے ہیں اور خیالات واحساسات کا ذریعہ اظہار صرف زبان ہی ہے۔

بعض لوگ سماج میں رہ کر سماج سے الگ رہتے ہیں مگر پھر بھی وہ اپنے گھر والوں، رشتہ داروں یا دوست واحباب سے جب ملتے ہیں تو آپسی ربط کا ذریعہ زبان ہی ہوتی ہے۔گھر میں تمام افراد کو ایک دوسرے سے رابطے میں رکھنے کا عمل زبان ہی انجام دیتی ہے۔باہمی رابطے کے ذریعہ انسانی زندگی کے سارے مسائل حل ہوتے ہیں مثلاً سیر وسیاحت، درس وتدریس، خرید وفروخت، علاج ومعالجہ، کورٹ کچہری الغرض سبھی طرح کے معاملات میں رابطے کا ذریعہ زبان ہی ہوتی ہے۔

1.5.3 تمدن کی ترسیل کا وسیلہ:

انسان کی آبادی کے ساتھ زبان کی ترقی بھی ہوتی رہتی ہے۔ جب انسان حالات اور ضروریات کی بنیاد پر غذا اور پرسکون رہائش کی تلاش میں مختلف سمتوں میں پھیل گیا تو مختلف ماحول میں مختلف زبانیں وجود میں آئیں اور نئی تہذیب وتمدن کی تشکیل بھی ہوتی گئی۔ انسانی زبان پر اس کی تہذیب، طرز معاشرت اور طبعی ماحول کے بہت زیادہ اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کسی بھی تہذیب وتمدن کی پہچان اس کی زبان سے ہوتی ہے۔ اگر زبان پر تہذیب وتمدن کے اثرات ہیں تو وہ تہذیب وتمدن صدیوں باقی رہتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یقیناً زبان اپنی تہذیب وتمدن کا جس میں وہ ارتقا پذیر ہوتی ہے ترجمان ومحافظ ہوتی ہے۔ کسی بھی تہذیب وتمدن کی بقا اس میں ہے کہ ایک نسل سے دوسری نسل تک اس تہذیب و تمدن کو منتقل کیا جائے۔ تہذیب وتمدن، ادب وثقافت، سیاست وصحافت اور دیگر علوم وفنون کو نسلاً بعد نسل پہچاننے میں زبان کا سب سے اہم کردار ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان کسی بھی تہذیب یا تمدن کی ترسیل کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔

1.6 بولی

بولی زبان کی ابتدائی شکل ہوتی ہے۔ جیسے جیسے اس کا استعمال بڑھتا ہے اس کے تلفظ، لہجے اور ذخیرہ الفاظ میں تبدیلی آنے لگتی ہے۔ جب الگ الگ علاقے کے لوگ یکجا ہو کر کسی مقصد کو ظاہر کرنے کے لیے اپنی زبان میں، یا اشارے میں، یا کسی علامت یا لفظ کا استعمال کرتے ہیں تو اس جمگھٹ کے تمام افراد ایک ساتھ کچھ دنوں کی مدت گزارنے کے بعد ایک دوسرے کے اشارے اور زبان کو سمجھنے لگتے ہیں، تو ایسی صورت میں "بولی" وجود میں آتی ہے۔

اسٹرٹیونٹ(Sturtevant) کے مطابق:

''بولی کسی زبان کی وہ ذیلی شاخ ہے جس کے بولنے والے کو کسی لسانی اختلاف کا احساس نہیں ہوتا۔''

امریکی ماہر لسانیات وہٹنے (Whitney) کا نظریہ ہے کہ زبان جب مقبول ہو کر پھیلتی ہے تو اس سے کئی بولیاں جنم لیتی ہیں اور یہ بولیاں پھر کئی سالوں بعد کئی زبان کو پیدا کرتی ہیں۔

عام لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مخصوص جغرافیائی حدود میں بغیر اصول وقواعد کے عوامی ذریعہ اظہار کے لیے استعمال کی جانے والی بھاشا ہی بولی کہلاتی ہے۔ اس میں پڑھے لکھے، ان پڑھ، چھوٹے بڑے سبھی بلا جھجک ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں۔ بولی کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ ماحول، علاقہ اور تمدن کی تبدیلی سے بولی بھی بدلتی رہتی ہے۔ گیان چند جین اپنی کتاب 'لسانی مطالعہ' میں بولی اور زبان پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک زبان کے بولنے والوں میں جس قدر ملنا جلنا ہوگا اسی قدر ان کی بولی یکساں ہوگی۔ یعنی جب بڑے علاقے میں بہت سارے لوگ بس جاتے ہیں تو ان کے درمیان زبان کے اختلاف پیدا ہوتے ہیں اور یہ اختلاف ایک زبان کو کئی بولیوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ زبان کا علاقہ جتنا بڑا ہوگا بولیاں بھی اتنی ہی زیادہ ہوں گی۔ بولی کی ایک خصوصیت یہ بھی دیکھی جاتی ہے کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بولیوں میں فرق محسوس ہونے لگتا ہے۔ زبان، بولیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ کسی علاقے کی سب سے اہم بولی ہی ترقی کر کے معیاری زبان بنتی ہے۔

اگر ہم اردو زبان کی ہی مثال لیں تو اردو زبان کی پیدائش کے متعلق مختلف نظریات ماہرلسانیات نے پیش کیے ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ یہ پنجابی بولی سے نکلی ہے تو کوئی دکنی بولی، کوئی ہریانوی تو کوئی کھڑی بولی سے اردو زبان کی پیدائش کی بات کرتا ہے۔لیکن ان ساری بولیوں میں کھڑی بولی معیاری بولی تھی۔اس لیے اکثر و بیشتر ماہرلسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ اردو کھڑی بولی سے نکلی ہے۔

بولیوں کو اہمیت بخشنے میں کئی عناصر شامل ہوتے ہیں جو انہیں معیاری بنا کر زبان بنا دیتے ہیں۔جیسے راجدھانی والے علاقے کی بولیاں معیاری ہو کر زبان بن جاتی ہے یا مذہبی برتری والے علاقے کی بولیوں کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔کبھی کبھی کسی زبان کا معیار کم ہونے لگتا ہے تو وہ پھر سے بولی بننے کے طرف گامزن ہو جاتی ہے اور دوسری زبان اس کی جگہ لے لیتی ہے۔

1.7 زبان

ماہرلسانیات کی نظر میں زبان سے مراد وہ آوازیں ہیں جو منہ سے ادا کی جائیں اور سنائی دیں۔زبان کے ذریعہ انسان اپنے خیالات، جذبات واحساسات کا اظہار سماج میں کرتا ہے۔سنہری سوٹ کے مطابق

''تکلمی آوازوں کے ذریعہ خیالات کے اظہار کرنے کو زبان کہتے ہیں۔''

ایک دوسرے ماہرلسانیات کا ماننا ہے کہ:

''زبان ملفوظ آوازوں کی وہ علامتیں ہیں جن کے ذریعہ ایک انسان دوسرے انسان پر اپنی خواہشات اور خیالات کو ظاہر کرتا ہے۔''

زبان کے ذریعہ انسان ایک دوسرے سے کلام کرتا ہے۔انسان سماج میں رہتا ہے اور اسے ایک سماجی حیوان کہا جاتا ہے۔زبان سماجی زندگی میں خیالات کے اظہار و ترسیل کا بہترین ذریعہ ہے۔اور یہی ضرورتیں زبان کو بیدار کرتی ہیں۔دنیا کے ہر خطے میں کوئی نہ کوئی زبان پروان چڑھی۔کیونکہ انسان کی سماجی، معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے زبان کا سہارا ضروری ہے۔

پروفیسر انعام اللہ خاں شروانی فرماتے ہیں:

''زبان صرف انسان کے خیالات کے اظہار کا اہم اور مرکزی ذریعہ ہی نہیں بلکہ ایک نسل سے دوسری نسل کی تہذیب اور زبان منتقل ہو کر ملک میں اس کی کئی زبانیں اور بولیوں کے طور پر وجود میں آئیں۔ ہندوستان میں چھوٹی بڑی تقریباً 6000 زبانیں بولی جاتی ہیں اس لیے ہندوستان کو زبانوں کا گھر بھی کہا جاتا ہے۔''

دنیا کی کوئی بھی زبان اچانک وجود میں نہیں آتی ہے۔ بلکہ یہ طویل مرحلوں اور تہذیبی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔اسی کے ذریعہ انسان کے شعور کی تربیت ہوتی ہے اور تہذیب پروان چڑھتی ہے۔انسان جو غور و فکر کرتا ہے اس کے اظہار کے لیے زبان کا ہی سہارا لیتا ہے۔زبان سیکھنا ایک اکتسابی عمل ہے جو انسان سماج میں رہ کر کرتا ہے۔فرد کی نشو و نما کے ساتھ ساتھ زبان کا سیکھنا بھی جاری رہتا ہے جو اسے سماجی ماحول سے ملتا ہے۔زبان کی تعلیم انسان کے نقطۂ نظر میں وسعت پیدا کرتی ہے۔

ہنری سوئم کے خیال میں آوازوں کے ذریعہ مفہوم کا ہر اظہار لازمی طور پر زبان نہیں کہلا سکتا۔زبان لفظ نہیں بلکہ جملہ ہے۔علمائے زبان نے زبان کی اکائی لفظ کو نہیں بلکہ جملہ کو قرار دیا ہے۔زبان جب تک جملوں کے ادا کرنے کے مرحلے کو نہ پہنچے وہ خیال کے اظہار کا آلہ نہیں

بن سکتی۔ جانوروں کی بولیاں اس مرحلے میں نہیں ہوتیں۔ وہ صرف آوازوں کے ذریعہ انفرادی تصورات کو ظاہر کرسکتی ہیں لیکن وہ آوازوں کو جوڑ کر مفہوم کو ظاہر نہیں کرسکتی۔

زبان بولی کی ہی ترقی یافتہ شکل ہے۔ جب کئی بولیاں آپسی ربط وضبط کی وجہ سے ایک نئی شکل اختیار کرتی ہے، تو کئی بولیاں بولنے والے لوگ اپنی بات اس نئی تشکیل شدہ بولی میں پیش کرتے ہیں اور یہ بولی عوام میں اس قدر مقبول ہوتی ہے کہ اس کے اصول وقواعد مرتب ہوتے ہیں، عوامی سطح پر اسے فروغ دینے کے لیے کتابیں وغیرہ تیار کی جاتی ہیں۔ اس کے حروف، رسم الخط اور ضابطے بنائے جاتے ہیں۔ شعرا وادبا و مصنفین اپنی تخلیقات وتصانیف اسی زبان میں لکھتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ زبان اس بولی کی ترقی یافتہ شکل ہے جو چند بولیوں سے مل کر وجود میں آئی تھی۔

1.8 مادری زبان

مادری زبان کے ذریعے بچہ اپنے آس پاس کے ماحول سے اپنا پہلا رابطہ قائم کرتا ہے اور گھر وسماج کے افراد سے اپنے خیالات، احساسات وجذبات کا اظہار وترسیل کرتا ہے۔ تعلیمی اعتبار سے اگر مادری زبان پر غور کریں تو ہم اس زبان کو مادری زبان کہتے ہیں جس میں بچے کو پہلی رسمی تعلیم دی جاتی ہے۔ چونکہ بچہ مادری زبان کو آسانی سے بول سکتا ہے سن سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے اس لیے تمام ماہرین تعلیم اس بات سے متفق ہیں کہ بچوں کی شروعاتی تعلیم، مادری زبان میں دی جانی چاہیے تا کہ بچہ آسانی کے ساتھ سیکھ وسمجھ سکے اور پڑھ بھی سکے۔ ماہر نفسیات کی بھی رائے ہے کہ بچہ جس زبان پر پوری طرح سے عبور رکھتا ہے وہ مادری زبان ہے۔ اس لیے اسے مادری زبان میں تعلیم دینا آسان ہوگا اور اس سے اس کی شخصیت کی بھی نشوونما ہوگی۔ مادری زبان میں بچہ اپنے جذبات واحساسات وخیالات کو باآسانی بیان کرسکتا ہے۔ مادری زبان بچوں کے اندر خودبخود اظہار وتفہیم کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔

سماجی اور سیاسی پہلوؤں سے بھی دیکھا جائے تو بچہ مادری زبان کے ذریعے تہذیب وثقافت سے رابطہ آسانی سے قائم کرلیتا ہے۔ سماج کے اصول، زندگی کے اصول وغیرہ وہ آسانی سے سیکھ جاتا ہے۔ گفتگو اور تحریر کا انداز اور طور طریقے بھی آسانی کے ساتھ سیکھ لیتا ہے۔ تخلیقی و تحقیقی صلاحیت کا بھی فروغ مادری زبان کے ذریعہ آسانی سے ہوسکتا ہے۔ اس لیے مادری زبان کی حیثیت صرف ایک مضمون کی نہیں ہے بلکہ دیگر سبھی مضامین کی تعلیم سے ہے۔ مادری زبان کمرہ جماعت میں درس وتدریس کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ غیر تدریسی سرگرمیوں میں بھی مادری زبان پُر اثر ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے معلم درس وتدریس کے درمیان مادری زبان کی اہمیت کا ہمیشہ خیال رکھتا ہے۔

مادری زبان وہ زبان ہے جو بچے کے گھر میں، خاندان میں، دوستوں میں اور پڑوس میں بولی جاتی ہے۔ اس زبان کے ذریعہ بچہ اپنے داخلی وخارجی ماحول کو جانتا اور سمجھتا ہے۔ بچہ اس زبان کو اپنے ماں باپ، بھائی بہن، رشتہ دار اور ہمجولیوں سے آہستہ آہستہ سیکھتا ہے۔ پروفیسر غلام السدین کے مطابق:

"مادری زبان وہ ہوتی ہے جو بچہ اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ پیتا ہے"۔

مادری زبان سے بچے کا جذباتی رشتہ ہوتا ہے اور اس زبان میں دی جانے والی تعلیم کو بچہ جلدی سیکھتا اور سمجھتا ہے۔ شروعاتی تعلیم بچوں کو مادری زبان میں آسانی سے دی جاسکتی ہے اور بچے آسانی سے تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوتے ہیں۔

مادری زبان کی مختلف خصوصیات دیکھنے کو ملتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

a) مادری زبان ایک فطری زبان ہوتی ہے۔

b) بچوں کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو فروغ دینے میں مادری زبان اہم کردار ادا کرتی ہے۔

c) بچے اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کو مادری زبان میں بہتر طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

d) بچے مادری زبان کے ذریعہ آزادی سے اپنی زندگی کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔

e) مادری زبان ترسیل کا بہترین ذریعہ ہے۔

f) مادری زبان کے ذریعہ ہم اپنی تہذیب وتمدن کا تحفظ کرتے ہیں اور اس کی ترسیل بھی بہتر طریقے سے کرتے ہیں۔

g) بچے تصورات کو مادری زبان میں بہتر طریقے سے سمجھتے ہیں۔

h) مادری زبان کے ذریعہ ہی بچوں میں انفرادی، سماجی زندگی کے لیے دلچسپی پیدا کی جاتی ہے۔

i) مادری زبان کے ذریعہ ہم دوسری زبان کی تعلیم بھی بہتر طریقے سے سیکھ لیتے ہیں۔

j) زبان وادب کی صحیح تعلیم مادری زبان کے ذریعہ بہتر طریقے سے دی جاتی ہے۔

k) بچے پڑھنا، لکھنا، بولنا مادری زبان کے ذریعہ آسانی سے سیکھ جاتے ہیں۔

l) مادری زبان سے بچوں میں فکر ونظر کی بہتر نشو ونما ہوتی ہے۔

m) مادری زبان کے ذریعہ بچوں میں اخلاقیات اور اقدار کا فروغ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔

n) بچوں کی شخصیت کی نشو ونما آسانی سے ہوتی ہے۔

o) بچے حقیقی زندگی کی ضروریات کو مادری زبان کے ذریعہ اچھے سے تکمیل کر لیتے ہیں۔

1.9 بولی اور زبان کے درمیان فرق

دینان اور میکس مولر کا خیال ہے کہ زبان کا فطری ارتقا انشا سے اتحاد کی طرف ہے۔ ابتدائی زمانہ میں انسانی بولیاں کئی ٹکڑوں میں تقسیم تھیں۔ آگے چل کر یہ سب آپس میں مل جل گئیں اور ایک زبان کی شکل میں گھڑ گئیں۔ لیکن امریکی ماہر لسانیات اس نظریے کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ زبان پہلے آئی اور وہ آہستہ آہستہ بولیوں میں بٹ گئی۔ کچھ عرصے بعد یہ بولیاں خود زبان کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ اور ان سے پھر بولیاں پیدا ہوتی ہیں۔ زبانوں کی تاریخ اس کی سب سے بڑی گواہ ہے۔ ہند آریائی کی تاریخ کے مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبانیں کس طرح بولیوں کو جنم دیتی گئیں۔

لسانی تاریخ میں یہ واقعہ عام ہے کہ بولیاں ایک دوسرے سے جدا ہو کر مختلف زبانیں بن جاتی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ زبان زوال پذیر ہو کر محض بولی رہ جاتی ہے۔ برج اور اودھی کو عہد وسطیٰ میں زبان کا درجہ حاصل تھا اب وہ ہندی کی بولیاں ہوگئی ہیں۔ زبان اور بولیاں ایک دوسرے کو متاثر بھی کرتی ہیں جیسا کہ ہندی پر ہریانی کا اثر، یعنی علاقائی بولیاں زبان پر اثر ڈالتی ہیں۔ بولیوں میں حرکی زندگی ہوتی ہے اور یہ ارتقا پذیر ہوتی ہے جبکہ زبان قواعد کی پابند ہو کر رہ جاتی ہے۔ روزمرہ کی زندگی سے الگ ہو کر روایت پسند ہو جاتی ہے۔ لوگ عام زندگی میں عموماً

گفتگو تو بولی ہی میں کرتے ہیں جبکہ زبان کا استعمال خاص طور پر معیاری گفتگو کے لیے کرتے ہیں۔ لوگ باہر بھلے ہی معیاری زبان میں بات کرتے ہیں مگر گھر آکر وہ بولی کا ہی استعمال کرتے ہیں۔

زبانیں ادب کے لیے الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ کبھی کبھی لغت اور قواعد کے احترام میں پھنس کر مر بھی جاتی ہیں۔ جیسے ہندوستان میں سنسکرت، مگر بولیاں زندہ رہتی ہیں کیونکہ ان پر کسی طرح کے اصول کی پابندی نہیں ہوتی۔ بولی میں علاقہ در علاقہ بدلاؤ دیکھا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ بارہ کوس کے بعد پانی اور بانی (آواز) بدل جاتی ہے۔ مگر زبان کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ اس کا پھیلاؤ ایک وسیع علاقے میں ہوتا ہے اور اس میں بدلاؤ وقت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔

بولی اور زبان کے فرق کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور بولی کا محدود ہوتا ہے۔ زبان کے بولنے والوں کی تعداد دور دور تک پھیلی ہوتی ہے۔ جبکہ بولی بولنے والوں کے خاص جغرافیائی حدود اور علاقے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک زبان کے علاقے میں کئی بولیاں بولی جاتی ہیں، لیکن ایک بولی والے علاقے میں کئی زبانیں نہیں ہو سکتیں۔ زبان سے ادبی تخلیق کا کام لیا جاتا ہے، اس کے اپنے رسم الخط، حروف، اصول و ضابطے ہوتے ہیں۔ شعرا و ادبا و مصنفین اپنی تخلیقات میں جذبات و احساسات اور تجربات کے اظہار کے لیے اس کو ذریعہ بناتے ہیں۔ جب کہ بولی کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

زبان اور بولی میں ایک نمایاں فرق یہ بھی ہے کہ تعلیمی، انتظامی، عدالتی، سیاسی اور تہذیبی شعبوں میں زبان کا ہی استعمال ہوتا ہے، بولی کا نہیں۔ کیونکہ بولی محدود ہوتی ہے، اس میں اظہار کی نہیں بلکہ الفاظ کی کمی رہتی ہے۔ ہر زبان کا اپنا رسم الخط ہوتا ہے، وہ لکھی اور پڑھی جاتی ہے جبکہ بولی نہ لکھی جاتی ہے نہ پڑھی جاتی ہے۔

1.10 انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت

زبان قدرت کا انمول تحفہ ہے۔ انسانی زندگی میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ بچہ روزمرہ کی زندگی میں اپنے گھریلو ماحول میں بہت سی باتیں اپنے تجربات سے سیکھ کر زبان سے ظاہر کرتا ہے۔ اس شروعاتی دور میں زبان میں قواعد کی کوئی پابندی نہیں ہوتی ہے یہ خیالات و جذبات کے اظہار کا سب سے بہتر ذریعہ ہے۔ اس کی مدد سے علوم و فنون کو حاصل کیا جاتا ہے، اور نئی نسلوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ زبان کے ذریعہ ہی شاعری اور ادب کا رتبہ و مقام ہے۔ سماجی، قومی و ملکی اتحاد کا اہم ذریعہ زبان ہے۔ انسان کے دل میں بے شمار جذبات ہوتے ہیں جیسے نفرت، محبت، سکھ دکھ، خوشی غم، ڈر جھجک خوف وغیرہ۔ ان کے اظہار کے لیے وہ بے چین رہتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے تجربات و مشاہدات سے دوسروں کو آگاہ کرنا چاہتا ہے، ایسے میں صرف زبان کے ذریعہ ہی اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکتا ہے۔

زندگی کے ہر شعبے میں خواہ وہ سماجی، سیاسی، معاشرتی، مذہبی یا علمی و ادبی ہو، اس میں زبان کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ ساری دنیا کی خبریں، نئی معلومات، مختلف ملکوں اور علاقوں کی تہذیب و ثقافت سے واقفیت زندگی کے اچھے برے تجربات، مختلف مذاہب کے لوگوں کے بارے میں جاننا، ان کے عقیدوں اور مذہبی رسومات وغیرہ کو جاننا یہ سب زبان کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان انسانی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔ انسانی زندگی کی ارتقا اور ترقی میں زبان کا کردار بہت ہی اہم ہے۔

زبان کے ذریعہ ہی بچوں کی بہتر نشو و نما ہوتی ہے۔ انہیں علوم و فنون سے آراستہ کرنے میں سب سے زیادہ زبان ہی مددگار ہوتی

ہے۔ زبان کے ذریعہ ہی انسان کے عقل اور وجدان فروغ پاتے ہیں۔ سماج کی تشکیل اور انسانیت کی تعمیر بھی زبان کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ کاروبار، تجارت، عدلیہ، انتظامیہ ہر جگہ زبان کے ہی جلوے نظر آتے ہیں۔

مادری زبان بچوں میں توجہ کے ساتھ سننے سمجھنے کی اہلیت پیدا کرتی ہے۔ بچہ جو کچھ بھی سمجھتا ہے اس کا اظہار وہ اپنی مادری زبان میں کرتا ہے۔ مادری زبان سکھانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچہ جو کچھ بھی دیکھ کر، سن کر یا تجربے سے سیکھے اسے اپنے بیان میں یا تحریر میں لا سکے۔ بیان کرتے وقت وہ تلفظ کا صحیح استعمال کر سکے۔ لب و لہجہ نفیس ہو اور طرز بیان سادہ ہو۔ آواز میں اتار چڑھاؤ مناسب انداز میں ہو۔ موقع اور وقت کے حساب سے لہجہ کو بنائے رکھے۔ بات چیت کے درمیان بھی وہ اپنے لب و لہجہ کو مناسب طریقے سے استعمال کرے۔ تحریری شکل میں بھی قواعد کی پابندی، املا کی درستگی کرنے میں مادری زبان مددگار ثابت ہوتی ہے۔ مادری زبان نا صرف ہمیں لکھنے پڑھنے میں مدد کرتی ہے بلکہ بچوں میں سماجی شعور پیدا کرنے میں بھی اہم رول ادا کرتی ہے۔ مادری زبان کے ذریعہ بچہ بہت آسانی سے تعلیم حاصل کر سکتا ہے اور کوئی دوسری زبان بھی سیکھنا بہت آسان ہوتا ہے۔ مادری زبان چونکہ پیدائشی زبان ہوتی ہے اس لیے بچوں کو ذہن نشیں کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دینے سے بچوں میں تعلیم کے لیے ذوق و شوق بھی پیدا ہوتا ہے اس لیے مادری زبان بچوں کی تعلیم میں بہت ہی کارآمد ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں سیکھنے کے لیے بہت سے وسائل دستیاب ہیں جن میں کمپیوٹر، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ خاص کر کمپیوٹر کا رول کافی اہم ہو گیا ہے۔ پھر بھی مادری زبان کی اہمیت کم نہیں ہوئی، کیونکہ ان سبھی چیزوں کو بہتر طریقے سے سیکھنے میں بھی مادری زبان کا بہت اہم رول رہتا ہے۔

1.11 یاد رکھنے کے نکات

انسان اور سماج کے درمیان ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔ انسان پہلے اکیلا رہتا تھا پھر خاندان وجود میں آیا تو اسے ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پھر اپنی ضروریات کو پورا کرنے اور زندگی گزارنے کے لیے ایک دوسرے سے ملنا جلنا شروع کیا جس سے آپسی تعلقات پیدا ہوتے گئے۔ پہلے انسان نے اشارات اور حرکات کے ذریعہ آپس میں رابطہ قائم کیا۔ بعد میں یہی اشارات اور حرکات بولی اور زبان کی شکلیں اختیار کرتی گئیں۔ اس اکائی کے پڑھنے کے بعد اب ہم یہ سمجھ گئے ہیں کہ زبان کسے کہتے ہیں؟ بولی کیا ہے؟ بولی اور زبان کے درمیان فرق کیا ہے؟ زبان کے کون کون سی اقسام ہیں؟ مادری زبان کسے کہتے ہیں؟ ہمارے زندگی میں بولی، زبان، اور مادری زبان کی کیا اہمیت اور ضرورت ہے؟

1.12 فرہنگ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
فنون	بہت سے ہنر، فن کی جمع	تحفظ	حفاظت، احتیاط
منتقل	ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا، جگہ بدلنا	افادیت	فائدہ
مافی الضمیر	دل کی بات، قلبی واردات	خداداد	خدا کی عطا کی ہوئی

مشابہت	یکساں،ایک طرح کا	مفصل	تفصیل،کھول کر بیان کرنا
تکلمی	بات یا گفتگو سے متعلق	ظاہر	سامنے،کھلا ہوا
نقطۂ نظر	کسی کا نظریہ،صورت حال	منظّم	وہ چیز جو انتظام کے ساتھ ہو
الہامی	آسمانی،خدا کی طرف سے بھیجی گئی	معاہدہ	رضامندی،اقرار نامہ
اصوات	صوت کی جمع،آواز،آہنگ	علامت	نشانی،وہ چیز جو کسی چیز کے وجود کی طرف اشارہ کرے
فجائی	فوری،اچانک،بے ساختہ	مشاہدہ	دیکھنا،نظارہ،درشن
زوال	خاتمہ،نشیب،انحطاط	نفیس	عمدہ،قیمتی،بیش بہا

1.13 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں

معروضی جوابات کے حامل سوالات؛

(1) اسٹرٹیوٹ کے مطابق بولی____________________

(2) پروفیسر غلام السیدین کے مطابق مادری زبان____________________

(3) بولی اور زبان کے درمیان کیا فرق____________________

(4) زبان کے ارتقا کے عوامل____________________

(5) تہذیب وثقافت،علوم وفنون کی منتقلی کا ذریعہ____________________

مختصر جوابات کے حامل سوالات؛

(1) زبان کسے کہتے ہیں؟

(2) زبان کی خصوصیات کو بیان کریں؟

(3) زبان کی فطرت کے بارے میں لکھیں۔

(4) مادری زبان سے کیا مراد ہے؟

طویل جوابات کے حامل سوالات؛

(1) زبان کے آغاز کے متعلق نظریات بیان کیجیے۔

(2) زبان کی اقسام پر روشنی ڈالیے۔

(3) زبان کے افعال بیان کیجیے۔

1.14 تجویز کردہ مواد

1) ڈاکٹر ریاض احمد۔اردو تدریس، جدید طریقے اور تقاضے۔مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔2003

2) زبیدہ حبیب۔ تدریس اردو۔ادبستان پبلی کیشن، دہلی۔2012

3) عمیر منظر۔اردو زبان کی تدریس اور اس کا طریقہ کار۔شپرا پبلی کیشن۔2009

4) علی رفاد فتحی۔ اردو لسانیات۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔نئی دہلی۔2013

5) ڈاکٹر گیان چند جین۔لسانی مطالعہ۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔نئی دہلی۔1973

6) مرزا خلیل احمد بیگ۔اردو کی لسانی تشکیل۔ایجوکیشنل بک ہاؤس۔علی گڑھ۔2011

7) محی الدین قادری زور۔ ہندوستانی لسانیات۔ایجوکیشنل بک ہاؤس۔علی گڑھ۔2005

8) معین الدین۔اردو زبان کی تدریس۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔نئی دہلی۔1983

9) پروفیسر انعام اللہ خاں شروانی۔تدریس زبان اردو۔آفسٹ آرٹ پرنٹرس۔کلکتہ۔1989

10) اردو کی تدریس۔نظامت فاصلاتی تعلیم۔مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اکائی 2۔ اُردو زبان و ادب

اکائی کے اجزا؛

2.1 تمہید

2.2 مقاصد

2.3 ادب: معنی و مفہوم، ادب اور زندگی کا رشتہ

2.4 اصناف ادب اُردو، نثر و نظم۔ نثر و نظم کے درمیان فرق

2.5 اصناف نثر: داستان، ناول، افسانہ، ڈرامہ، سوانح نگاری و مکتوب نگاری وغیرہ۔

2.6 اصناف نظم: غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، رباعی، آزاد نظم، نظم اور غزل کے درمیان فرق

2.6.1 نظم اور نثر میں فرق

2.6.2 نظم کی اصناف

2.7 اُردو زبان کے آغاز وارتقا کے سلسلے میں مختلف نظریات

2.7.1 محمد حسین آزاد

2.7.2 محمود شیرانی

2.7.3 مسعود حسین خان

2.7.4 محی الدین قادری زور

2.8 یاد رکھنے کے نکات

2.9 فرہنگ

2.10 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں

2.11 تجویز کردہ مواد

2.1 تمہید

اُردو زبان وادب کی مختلف انداز سے تعریف کی گئی ہے۔ کسی نے اردو ادب کو زندگی کا ترجمان کہا ہے تو کسی کے خیال میں ادب زندگی کی ترجمانی ہی نہیں کرتا بلکہ زندگی کی تنقید بھی کرتا ہے اوراس کی تفسیر بھی پیش کرتا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ادب اس تحریر کو کہتے ہیں جس میں روزمرہ کے خیالات سے بہترین خیالات اور روزمرہ کی زبان سے بہتر زبان کا سہارا ہوتا ہے۔ انسان دنیا میں جو کچھ دیکھتا ہے، جو تجربے حاصل کرتا ہے جو سوچتا ہے اس کے ردعمل کا اظہار ادب کی شکل میں کرتا ہے اس طرح ادب انسانی تجربات کا نچوڑ پیش کرتا ہے اور انسان زندگی کے وسیع ترین مسائل کا احاطہ کرتا ہے اوراس کے ذریعہ پروان چڑھتا ہے۔

2.2 مقاصد

- ☆ اردو زبان وادب کے معنی ومفہوم بتلانا۔
- ☆ ادب وزندگی کا رشتہ بتلانا۔
- ☆ اصناف ادب کو بتلانا۔
- ☆ اردو نثر ونظم کی قسموں کو بتلانا۔
- ☆ نظم ونثر میں پائے جانے والے فرق کو بتلانا۔
- ☆ اردو زبان کے آغاز وارتقا سے متعلق مختلف ماہرین لسانیات کے نظریات کو بتلانا۔
- ☆ آئین ہند میں اردو کے مقام کو بتلانا۔

2.3 ادب: مفہوم وتعریف، ادب اور زندگی کا رشتہ

فطرت نے کائنات میں بے شمار خوبصورت چیزیں پیدا کی ہیں۔ جب انسان اس کائنات کے حسین مناظر کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں تخلیق کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ تخلیق کرتا ہے یہی تخلیق ''فن'' کہلاتا ہے۔ وہ فنون جو روحانی فطرت اور انسانی ذوق، آرائش و جمال کی تسکین کے لیے وجود میں آتے ہیں ''فنون لطیفہ'' کہلاتے ہیں۔ فنون لطیفہ کی پانچ قسمیں ہیں:

1) فن تعمیر
2) سنگ تراشی
3) مصوّری
4) موسیقی اور
5) ادب

جرمنی کے مشہور مفکر ہیگل نے مادی وسائل کے استعمال کے لحاظ سے فنون لطیفہ کی درجہ بندی کرتے ہوئے ادب کو سب سے بلند درجہ دیا ہے۔

انسان دنیا میں جو کچھ دیکھتا ہے جو حاصل کرتا ہے جو سوچتا ہے اور سمجھتا ہے اس کے ردعمل کا اظہار ادب کی شکل میں کرتا ہے۔ اس طرح ادب انسانی تجربات کا نچوڑ پیش کرتا ہے اور انسانی زندگی کے وسیع ترین مسائل کا احاطہ کرتا ہے اور اسکے ذریعہ پروان چڑھتا ہے۔ ادب چاہے کسی بھی ملک وقوم کا ہو اس میں انسانوں کے ذریعہ کی گئی مادی اور غیر مادی چیزوں کی ترقی ہوتی ہے۔ مادی چیزوں سے مراد۔ اوزار، ہتھیار، لباس وغیرہ جب کہ غیر مادی چیزوں سے مراد: فلسفہ، آرٹ اور ادب ہے۔ مادی چیزیں کافی تیزی سے ترقی کرتی ہیں جبکہ غیر مادی چیزوں کی ترقی میں وقت درکار ہوتا ہے۔ مادی اور غیر مادی چیزوں کی ترقی کلچر کہلاتی ہے۔ لہٰذا ادب اور زندگی کا آپسی رشتہ براہ راست ہوتا ہے۔

2.4 اصناف ادب اُردو

(1) نثر:

ادب میں شاعری کی طرح نثر کو بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ روزمرہ زندگی کی عام بول چال یا زبان کو ہم نثر کہتے ہیں۔ جو زبان تحریر میں آتی ہے وہ ادبی معیاری زبان ہوتی ہے۔ اُردو نثر کو ادبیت کی راہ پر ڈالنے والے اسے نئی جہت سے روشناس کرانے والے ''مُلا وجہیؔ'' ہیں ان کی تصنیف ''سب رس'' کو اردو کا اولین ادبی نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

اُردو نثر کو نشو ونما اور اس کے فروغ دینے میں مختلف اداروں اور تحریکوں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ان اداروں میں فورٹ ولیم کالج کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جس نے اردو نثر کو ادبی اظہار کی راہ دکھائی۔ اُردو نثر کی ترقی کا کام یوں تو فورٹ ولیم کالج میں نمایاں طور پر ہوا لیکن اس زمانے میں فورٹ ولیم کالج کے باہر بھی نثری ادب کا قابل قدر کام ہوا جس میں سب سے اہم انشا کی رانی کیتکی کی کہانی۔ مولوی محمد حسین آزاد کی تصنیف ''دریائے لطافت'' مرزا رجب علی بیگ سرورؔ کی تصنیف ''فسانۂ عجائب'' گلزار سرور' انشائے سرور اور فسانہ عبرت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے بعد سرسید احمد خان کی تحریک نے اسکو اور بھی پروان چڑھانے کا بیڑا اُٹھایا۔ علی گڑھ تحریک نے جہاں مسلمانوں میں سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی شعور بیدار کیا وہیں اُردو نثر نگاری کو قدیم اور فرسودہ روایتوں سے نکال کر نئے رجحانات' نئی راہوں سے متعارف کروایا۔ انشاپردازی، صحافت، ناول، تاریخ اور سوانح نگاری وتنقید نگاری اردو ادب میں داخل ہوئے۔

ذیل میں چند مصنفین کے نام دیے گئے ہیں جنھوں نے اردو نثر کو فروغ دیا ہے:

1) سرسید احمد خان	آثار الصنادید، اسباب بغاوت ہند، مضامین سرسید
2) شبلی نعمانی	الفاروق، المامون، سیرت النبی (پانچ جلدیں) موازنۂ انیسؔ ودبیرؔ
3) الطاف حسین حالیؔ	مقدمہ شعروشاعری، حیات جاوید، یادگار غالبؔ، حیات سعدیؒ
4) ذکاءاللہ	ریاضیات، طبعیات، جغرافیہ، علم الاخلاق
5) محمد حسین آزادؔ	دریائے لطافت، آب حیات

نثر کی عموماً دوصورتیں ہوتی ہیں: 1) زبان 2) ادب

نثر کی اقسام: نثر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

نثر

مسجع　　　مُرجز　　　عاری

مسجع : اس نثر کو کہتے ہیں جسمیں قافیہ اور فقرے بکثرت ملتے ہیں۔

مرجز : یہ نثر کی ایسی قسم ہے جس میں ہم وزن اور ہم قافیہ فقرے کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔

عاری : ایسی نثر کی قسم ہے جس میں دونوں صفات سے خالی ہوں نہ مسجع اور نہ مرجز بلکہ سادہ عبارت میں تحریر کی جائے۔

2.5 اصناف نثر: داستان، ناول، ڈرامہ، افسانہ، سوانح نگاری وغیرہ

داستان:

کہانی کہنا اور کہانی سننا انسانی فطرت میں داخل ہے۔ یہ تفریح اور وقت گزاری کا ذریعہ بھی ہے۔ جس کے ذریعہ انسان اپنی انا کو تسکین دیتا ہے۔ پریشان حال انسان سکون و راحت کو ترستا ہے۔ انسان کہانی کے ہیرو کو کامیاب ہوتا دیکھنا چاہتا ہے۔ کیوں کہ تھوڑی دیر ہی سہی ہیرو کی کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے۔ کہانی کار کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کہانی کو دلچسپ بنائے تا کہ لوگ اس سے مایوس نہ ہوں۔ غرض کہانی کار کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ کسی طرح سے بھی لوگوں کے دل کو بہلائے۔ کبھی جانوروں پر کہانی بیان کر کے اخلاقی نصیحت کا کوئی پہلو پیش کیا جاتا ہے۔ کبھی تمثیلی انداز میں قصہ بیان کر کے اخلاقی اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے۔ ''سب رس''، تمثیلی طرز کی بہترین مثال ہے۔

کہانی کی ابتدائی شکلٔ داستان وہ رومانی کہانی ہے جس میں خیالی واقعات کو بیان کیا جاتا ہے۔ حسن و عشق کی رنگینیاں واقعات و حادثات کی عکاسی کہانی کار پیش کرتا ہے اور اپنے قاری کو راحت و مسرت کا سامان فراہم کرتا ہے تا کہ قاری داستان سے ہمیشہ کے لیے وابستہ ہو جائے۔

ناول نگاری:

اردو میں ناول مغربی ادب سے آیا۔ فنی اعتبار سے ناول کے اجزائے ترکیبی میں پلاٹ، کردار، مکالمہ، منظر نگاری اور نظریہ حیات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اردو ناول کی ابتدا کے بارے میں مختلف خیالات ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولوی کریم الدین کے ناول خط تقدیر سرشآر کا ناول فسانۂ آزاد، ہادی محمد رسوا کا شاہکار امراؤ جان آدا کے نام قابل ذکر ہیں۔ لیکن عام طور پر اردو کا پہلا ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کو قرار دیا گیا ہے۔ توبتہ النصوح اور ابن الوقت ان کے شہرۂ آفاق ناول ہیں۔ اردو کے دوسرے ناول نگار سرشآر ہیں ان کے ناولوں میں حقیقت اور تخیل کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ اس ناول کے ذریعہ سرشار نے لکھنؤ کے زوال آمادہ تمدن کی عکاسی کی ہے۔ تیسرے ناول نگار عبدالحلیم شرؔر ہیں ان کے یہاں تاریخی پہلو ملتا ہے۔ فردوس بریں اور بغداد کی حسینہ اُن کے معروف ناول ہیں۔

افسانہ:

اردو زبان میں افسانہ مغربی ادب کی دین ہے۔ اور یہ ایک جدید صنف ہے۔ افسانے سے پہلے ناول قصے وغیرہ لکھے گئے 19 ویں صدی کے آخر میں صنعتی انقلاب کے باعث انسانی زندگی میں خاص تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ انسان کی مصروفیات بہت بڑھ گئیں۔ فرصت کے لمحات کم رہ گئے تو ایک ایسی صنف ادب کی ضرورت محسوس ہوئی جو کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ تسکین پہنچا سکے۔ اس وقت تک رسالہ اور

اخبار بھی کثیر تعداد میں چھپنے لگے تھے۔ان کے لیے بھی دلچسپ کہانیوں کی ضرورت محسوس کی گئی جو مختصر ہو لہٰذا افسانے کو فروغ حاصل ہوا۔

2.6 اصناف نظم

2.6.1 نظم اور نثر میں فرق؛

نظم لفظ منظّم سے ہے اس کے معنی ترتیب دینا اور موتیوں کو لڑی میں پرونے کے ہیں۔نظم میں شاعر حضرات اپنے جذبات کا اظہار شاعری سے کرتے ہیں۔نظم اردو ادب کی ایک اہم صنف ہے۔اجزائے نظم میں شعر، قافیہ، ردیف، مطلع اور مقطع شامل ہیں۔نظم کی بے شمار اصناف ہیں جن میں حمد، نعت، غزل، مرثیہ، شہر آشوب' پیروڈی اور نظم و گیت بھی شامل ہیں۔نثر نظم سے ادنیٰ درجہ کی شئے ہے اس میں ادیب اور شاعر حضرات تحریر کی صورت میں اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔یہ خیالات و جذبات کے اظہار کا سیدھا سادہ اور بے تکلف اور قدرتی طریقہ ہے اور بات چیت اور تحریر و تقریر میں نثر کا استعمال ہوتا ہے۔اصناف نثر میں داستان، ناول، ڈرامہ، افسانہ، مضمون، مقالہ، سوانح عمری، انشائی، آپ بیتی، خاکہ سفرنامہ طنز و مزاح اور صحافت شامل ہے۔نثر یا نظم میں صرف اور صرف آپ کے وہ جذبات اور احساسات شامل ہوتے ہیں جو جب اندر سے باہر کا رخ کرتے ہیں تو انہیں الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے مگر ان الفاظ کو نظم منظّم کر کے پیش کرتی ہے اور نثر بے تکلفانہ انداز میں بیان کر دیتی ہے۔

نظم	نثر
☆ نظم کے لغوی معنی لڑی میں موتی پرونا ہوتا ہے	☆ جبکہ نثر کے معنی پراگندہ کرنے یا بکھیرنا ہوتا ہے
☆ جذبات کا اظہار کرنا	☆ نثر میں ادب روانی کے ساتھ پیش کرتے ہیں
☆ نظم کی جمالیات کی شناخت کرنا	☆ نثر میں کسی بات کو بے تکلفانہ انداز میں پیش کرتے ہیں
☆ نظم کلام منظوم ہے	☆ نثر میں عام انداز میں گفتگو کی جاتی ہے
☆ عام طور پر قافیہ ہوتا ہے	☆ نثر میں جملے کا مختصر ہونا ضروری نہیں ہے
☆ نظم میں وزن ہوتا ہے	☆ نثر میں وزن نہیں ہوتا ہے اور نثر میں قافیہ نہیں ہوتا ہے
☆ نظم پڑھنے والے کو مسرت پہونچانے کی کوشش کرتی ہے	☆ بہتر انداز میں گفتگو کر سکتے ہیں
☆ نظم بنیادی طور پر دل کی گہرائیوں سے تعلق رکھتی ہے	☆ عام طور پر جو زبان بولی جاتی ہے اسکو ہم نثر کہتے ہیں
☆ نظم میں جذبہ مستعمل رکھتا ہے	☆ نثر ہماری زندگی کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں
☆ نظم میں زندگی کے تخیل کے عمل سے گزار کر اپنے آپ رنگ باقی رکھتی ہے	☆ نثر ادبی اظہار کی راہ دکھاتا ہے
☆ نظم کا موضوع ادبی ہوتا ہے	☆ اصطلاح میں اس کلام کو نثر کہتے ہیں جس کو نظم کے مقابلے میں پیش کیا جاتا ہے

☆ لسانی مہارتوں کو حاصل کرنا	☆ روزمرہ زبان کو فروغ دیتا ہے
☆ نظم میں شاعر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں	☆ نثر کے ذریعہ اظہار خیال کا علم ہوتا ہے
☆ نظم میں احساسات اور جذبات کو منظّم کر کے پیش کرتے ہیں	☆ نثر میں جذبہ عارضی مہمان کی طرح دکھائی دیتا ہے
☆ نظم میں قصیدہ، مثنوی، مرثیہ اور رباعی آتے ہیں	☆ نثر میں داستان، ناول نگار، ڈرامہ، افسانہ اور انشائیہ آتے ہیں
☆ اصطلاح عام میں کسی چیز کی منظّم آرائش یا ترتیب کو بھی نظم کہتے ہیں	☆ نثر حقیقت کے تقاضوں کے برعکس گویائی کی اسیر ہے
☆ نظم میں وزن کا خیال رکھا جاتا ہے	☆ نثر براہ راست ہوتا ہے
☆ نظم کے سارے مصرعے ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں	☆ نثر میں کسی بحر وغیرہ کا خیال نہیں کیا جاتا
☆ نظم میں ایک مرکزی خیال ہوتا ہے۔	☆ نثر ذہن کی گہرائیوں سے تعلق رکھتی ہے

2.6.2 نظم کی اصناف؛

(1) حمد : اللہ کی تعریف میں کہی جانے والی نظم کو ''حمد کہتے ہیں''

(2) نعت : سرور کائنات حضور ﷺ کی تعریف میں لکھے جانے والی نظم کو ''نعت'' کہتے ہیں۔

(3) مثنوی : اصناف سخن کی ایک صنف مثنوی ہے جس میں شاعر مسلسل کوئی قصہ بیان کرتا ہے۔ شاعری میں مثنوی کو مقبولیت لکھنؤ سے ملی۔ سحر البیان میر حسنؔ نے مثنوی میں جان ڈال دی ہے۔ ملا وجہی کی مثنویاں جو دکنی زبان میں لکھی گئیں اُن کے نام زہر عشق اور گل بکاؤلی ہیں۔

(4) قصیدہ : اصناف سخن کی ایک صنف قصیدہ ہے جس میں شاعر بادشاہوں کی تعریف میں قصیدہ بیان کرتا ہے اور انعام واکرام حاصل کرتا تھا۔ اردو ادب میں قصیدہ نگاری کی ابتدا قلی قطب شاہ سے ہوئی۔ دہلی میں سوداؔ قصیدہ کا سب بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔ بعد میں ابراہیم ذوقؔ غالبؔ مشہور قصیدہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

(5) مرثیہ : اصناف سخن کی ایک صنف مرثیہ بھی ہے جس میں شاعر کسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مرثیہ مرنے والوں کے رنج و غم میں لکھا جاتا ہے شہدائے کربلا کے واقعات کو مرثیہ میں بیان کیا جاتا ہے، لکھنؤ میں مرثیہ گوئی کی ابتدا میر انیس اور مرزا دبیر نے کی۔ امام حسینؓ کی شہادت کے واقعہ کو مرثیہ میں بڑی خوبی سے بیان کیا جاتا ہے۔ واقعہ کی منظر کشی، سلاست، روانی اور دلکش انداز مرثیہ میں جان ڈال دیتے ہیں۔

(6) رباعی : اصناف سخن کی ایک صنف رُباعی بھی ہے۔ رباعی عربی لفظ ربع سے مشتق ہے ربع کے معنی چار کے ہیں۔ چونکہ رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں اس لیے اسے رباعی کہا جاتا ہے۔ رباعی کا پہلا' دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتا ہے۔ تیسرے مصرعہ میں قافیہ کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ چوتھا مصرعہ رباعی کی جان ہوتا ہے۔ رباعی گو شعرا میں امجد حیدر آبادی نے کافی شہرت حاصل کی۔

2.7 اُردو زبان کے آغاز و ارتقا سے متعلق مختلف نظریات

کسی بھی زبان کے عروج وارتقا کی داستان اس قوم کی تہذیب ومعاشرت کے ارتقا سے وابستہ ہوا کرتی ہے۔اس کی نشو ونما کسی خاص وقت پرنہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی شکل اختیار کرنے سے پہلے مختلف مراحل سے ہوکر گزرتی ہے۔اس کے روپ رنگ اور سلیقہ مند بنانے میں مختلف عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔اردو زبان جوآج دنیا کی چند ترقی یافتہ اور کثرت سے بولی جانے والی زبانوں میں سے ایک ہے' اسے بھی وجود میں آنے کے لیے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا۔

ماہرلسانیات کے مطابق اس زبان کا اصل سرچشمہ کونسی زبان ہے اس کا خمیر کس علاقے کی مٹی سے تیار ہوا' ان سوالات کا کوئی قطعی جواب دینا مشکل ہے۔ کیوں کہ اس سے متعلق کوئی دستاویزی ثبوت مہیا کرنا مشکل امر ہے۔البتہ ماہرین لسانیات نے اس کے ارتقا کے مختلف پہلوؤں پر دستاویزی ثبوتوں کی روشنی میں اپنے خیالات ونظریات پیش کیے ہیں۔

2.7.1 نظریہ محمد حسین آزاد؛

محمد حسین آزاد نے اردو کا ابتدائی سرچشمہ برج بھاشا کو قرار دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ''اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا ہی خالص اردو زبان ہے۔''

ہوسکتا ہے کہ یہ بات آزاد نے رواروی میں لکھ دی ہو کیوں کہ وہ ماہرلسانیات نہیں تھے اور نہ ہی زبان کی نزاکتوں سے انہیں بہت زیادہ واقفیت حاصل تھی پھر بھی ایک زمانے میں ان کے اس نظریہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

میر امن دہلوی، سرسید احمد خان، امام بخش اور سید شمس اللہ قادری نے بھی برج بھاشا کو ہی اردو کی اصل قرار دیا ہے۔

سید قادری لکھتے ہیں: ''مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی وفارسی الفاظ داخل ہونے لگے جس کے باعث اس میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کر لی۔''

ماہرلسانیات روڈولف ہیورنلے نے بھی آزادی سے پہلے اپنا نظریہ پیش کیا' ان کے مطابق اردو برج بھاشا سے ماخوذ ہے۔

اردو حال کی پیداوار ہے۔ دہلی کے نواح میں جو مسلم اقتدار کا مرکز تھا اردو بارہویں صدی میں پیدا ہوئی۔ یہ علاقہ برج مارواڑی پنجابی کے لیے سنگم کی حیثیت رکھتا ہے۔ مقامی باشندوں اور مسلمان سپاہیوں کے اختلاط سے ایک ملی جلی زبان وجود میں آئی۔ اگرچہ اس میں پنجابی اور مارواڑی کی آمیزش بھی ہے۔ اس کے کچھ الفاظ دیسی ہندی ہیں اور کچھ بدیسی یعنی عربی وفارسی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ آزاد ماہرلسانیات بھی نہیں تھے اور وہ برج بھاشا سے اردو کے ماخذ ہونے کا جواز بھی پیش کرنے سے قاصر رہے۔

نظریہ محمد حسین آزاد کا تنقیدی جائزہ؛

محمود شیرانی، مسعود حسین خان اور شوکت سبزواری جیسے ماہرین لسانیات نے آزاد کے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے اسے آزاد کی ذہنی اُپج قرار دیا ہے۔ان کے خیال میں آزاد نے برج بھاشا کو اردو کا ماخذ قرار دیا ہے جبکہ لسانی حقائق وشواہد سے یہ بات کسی طرح صحیح ثابت نہیں ہوئی۔ان ماہرین کے مطابق ان دونوں زبانوں میں ماں بیٹی کا نہیں بلکہ بہنوں کا رشتہ ہے۔اردو کی ابتدا کے بارے میں محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب ''آب حیات'' میں لکھا ہے کہ اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے۔اس نظریہ کی کافی دنوں تک علمی دنیا میں دھوم مچی رہی لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں یہ بات واضح ہوچکی کہ اردو زبان برج

بھاشا سے نہیں نکلی بلکہ اس کی سب سے بڑی پہچان اس کے اسماء، ضمائر، صفات اور افعال ہیں۔

2.7.2 نظریہ محمود شیرانی؛

محمود شیرانی نے اپنی تصنیف ''پنجاب میں اردو'' میں اردو زبان کے ارتقا کے بارے میں اپنے نظریہ کو پیش کیا۔ ان کا خیال ہے کہ محمود غزنوی کے ہندوستان میں مسلسل حملے کے نتیجے میں مسلمان سارے پنجاب میں پھیل گئے۔ ان کا قیام پنجاب میں دوسو سال تک رہا۔ اس دوران پنجاب کے باشندوں سے ان کے گہرے معاشرتی روابط قائم ہو گئے اور دونوں کے میل جول سے ایک نئی زبان وجود میں آئی یہ زبان بعد میں پنجاب سے نکل کر دہلی پہونچی اور مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی اردو کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اس طرح محمود شیرانی کے مطابق اردو جو بنیادی بولی ہے اس کا تعلق سرزمین پنجاب سے ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''اردو دہلی کی قدیم زبان نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے اور چونکہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے گئے ہوں''

شیرانی نے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے کچھ تاریخی شواہد پیش کیے ہیں جو پنجابی اور قدیم اردو کے درمیان مشترک ہیں۔ شیرانی کے اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے شیر علی سرخوش اپنے تذکرے اعجاز سخن اور جارج گریرسن اپنی تحریروں میں شیرانی سے پہلے پیش کر چکے تھے۔ ان نقادوں نے اردو میں پائے جانے والے پنجابی عناصر کی طرف خصوصی طور پر اشارہ کیا تھا۔ پنجابی زبان کے عالم ٹی۔ گراہم بیلی T. Grahambaily نے بھی شیرانی کے نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اردو 1027ء کے لگ بھگ لاہور میں پیدا ہوئی، قدیم پنجابی اس کی ماں ہے اور قدیم کھڑی بولی اس کی سوتیلی ماں، برج سے براہ راست اس کا کوئی رشتہ نہیں۔ مسلمان سپاہیوں نے پنجابی کے اس روپ کو جوان دنوں دہلی کی قدیم کھڑی بولی سے زیادہ مختلف نہ تھا اختیار کیا اور اس میں فارسی الفاظ اور فقرے شامل کر دیئے''

اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ محمود شیرانی کا نظریہ صرف روایت یا قیاس وتخمینہ پر مبنی نہیں انھوں نے اپنا نظریہ تاریخی شواہد کی بنیاد پر لسانی تجزیہ کرتے ہوئے بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تمام تاریخی شواہد اور پنجابی کے ہم عصر دوسری بولیوں کے نمونے نہیں تھے۔ جس کی وجہ سے انھوں نے 'اردو کی'' 'پنجابیت' پر غیر معمولی زور دیا ہے۔ پنجاب میں اردو کتاب کے مصنف محمود شیرانی نے یہ نظریہ پیش کیا کہ جس زبان کو ہم اردو کہتے ہیں، سرزمین پنجاب میں پیدا ہوئی اور وہیں سے ہجرت کر کے دہلی پہنچی۔ مسلمان سندھ میں داخل ہونے کے بعد پنجاب میں دوسو سال تک رہے۔ ان کے اور اہل پنجاب کے درمیان مضبوط سماجی رابطہ قائم ہوا اور ایک نئی زبان پیدا ہوئی وہ اُردو کہلاتی ہے۔

2.7.3 پروفیسر مسعود حسین خاں کا نظریہ؛

مسعود حسین خان کے اردو کی ابتدا سے متعلق نظریہ کی بنا نواح دہلی کی بولیوں کی اہمیت پر ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اردو زبان کی تشکیل اور اسے معتبر لب ولہجہ عطا کرنے میں ہریانی اور نواح دہلی کی دیگر قدیم بولیوں کا ہاتھ رہا ہے۔ جہاں ہریانی نے قدیم اردو کی تشکیل میں حصہ لیا

وہیں کھڑی بولی، برج بھاشا اور میواتی نے اس کا لب ولہجہ متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''قدیم اردو کی تشکیل براہ راست ہریانی کے زیر اثر ہوئی۔ اس پر رفتہ رفتہ کھڑی بولی کے اثرات مرتب ہوئے۔ پندرہویں صدی میں آگرہ دارالسلطنت بن جاتا ہے اور کرشن بھگتی کی تحریک کے ساتھ برج بھاشا عام مقبول ہو جاتی ہے تو سلاطین دہلی کے عہد کی تشکیل شدہ زبانوں کی نوک پلک برجی محاورے کے ذریعہ درست ہوتی ہے۔''

''قدیم اردو جمنا کی ہریانی بولی سے قریب تر تھی۔ برج بھاشا نے بعد کو اردو کا لب ولہجہ معیاری متعین کرنے میں ضروری مدد دی ہے۔''

پروفیسر مسعود حسین خاں نے نواح دہلی کی بولیوں ہریانی کھڑی بولیوں اور میواتی پر توجہ دیے جانے کی وجہ یہ بھی بتلائی کہ شہر دہلی ان کے سنگم پر واقع ہے۔ وہ ان تمام حقائق کے پیش نظر بڑے وثوق سے لکھتے ہیں:

''نواح دہلی کے قدیم نمونے جوں جوں روشنی میں آتے جائیں گے یہ بات بھی واضح ہوتی جائیگی کہ دینے کا ماخذ (کھڑی بولی اور ہرانی) بولیاں ہیں۔ نواح دہلی کی بولیاں اردو کا اصل منبع ہیں اور حضرت دہلی اس کے حقیقی مولد ومنشا۔''

مسعود حسین خاں کے اس نظریہ کی تائید ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کی تحریروں سے ہوتی ہے۔ لیکن ان دونوں ماہرین لسانیات نے ہریانی کی اہمیت سے متعلق صرف بعض اشارے کیے ہیں جب کہ مسعود حسین خاں نے لسانی تجزیوں پر پرکھ کر اسے مستقل نظریہ کے طور پر پیش کیا۔ بعد کے ماہرین لسانیات پروفیسر گوپی چند نارنگ نے بھی اس نظریہ کی تائید کی۔ اس طرح سے مسعود حسین خاں نے اردو کے ابتدا کے بارے میں تفصیلی جائزہ اپنی کتاب مقدمہ تاریخ زبان اردو میں کیا ہے۔ ان کے نظریہ کے مطابق اردو نہ تو پنجاب میں پیدا ہوئی اور نہ دکن میں، نہ سندھ میں بلکہ اردو 1193ء میں دہلی اور نواح دہلی میں پیدا ہوئی۔ ابھی انکے نظریات کو قابل تسلیم مانا جاتا ہے کہ اردو کی ابتدا کھڑی بولی سے ہوئی اور اس میں ہریانوی کے اثر واضح ہیں۔

2.7.4 نظریہ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ؛

یوں تو ڈاکٹر زورؔ مسعود حسین خاں کے نظریہ کی تائید کرتے ہیں مگر ڈاکٹر زورؔ اردو پر ہریانی کے اثرات کے قائل ہوتے ہوئے بھی مسعود حسین خاں کے اس نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ہریانی زبان کی پیدائش اردو کی پیدائش کے بعد عمل میں آئی اور اگر قدیم دکنی اردو کی بعض خصوصیات ہریانی میں ملتی ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اردو ہریانی سے بنی بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اردو اور ہریانی دونوں کا سرچشمہ ایک تھا۔''

ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے کھڑی بولی کو اُردو کی اصل قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اردو زبان کی تہہ میں پائی جانے والی بولی دہلی مغربی یوپی اور میرٹھ کے نواح میں بولی جانے والی زبان ہے اور ان علاقوں میں بولی جانے والی زبان کھڑی بولی کے علاوہ اور کوئی دوسری زبان نہیں ہے۔

دکن میں اردو زبان وادب کی تصنیف وتالیف کا کام شمالی ہند سے کئی سو برس پہلے شروع ہو چکا تھا دکن میں اردو کی ترویج واشاعت

میں افواج وصوفیا نے برابر کا حصہ لیا۔اس کے بعد جب محمد تغلق نے 1327ء میں دولت آباد کو اپنا دارالحکومت بنایا اور دہلی کی رعایا کو دکن منتقل کیا تو زبان کی ترقی وترویج کے عمل میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ 1347ء میں دکن میں بہمنی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔سلاطین بہمنی نے دل کھول کر مقامی روایات کی حوصلہ افزائی کی۔انھوں نے باہمی ربط وضبط میل جول اور معاشرت وتہذیب کو مضبوط کرنے کے لیے اس زبان کی سرپرستی کی جس کو آج ہم ''اُردو'' کہتے ہیں، چنانچہ سلاطین بہمنی نے اردو زبان کو سرزمین دکن میں خوب پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کیے۔1200ء تا 1700ء کے درمیانی زمانے میں دکن میں اردو زبان وادب کی ترقی کی رفتار شمالی ہند کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر رہی۔اس کا سبب دکن کی سلطنتوں کا اس زبان کے تئیں ہمدردانہ رویہ تھا۔ان سلطنتوں کے بادشاہوں نے نہ صرف اس زبان کے ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اس کی سرپرستی کی۔ بہت سے بادشاہ خود شاعر بھی تھے۔جنھوں نے اردو زبان کی نشونما میں اہم کردار ادا کیا۔

ہندوستانی آئین میں اردو زبان کا مقام ومرتبہ:

ہندوستان مختلف قوم وزبان اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ ہے۔یہاں طرز رہائش اور زبان میں تبدیلی پائی جاتی ہے۔اسی لیے آزادی کے بعد تمام مذاہب زبان اور تہذیب کے تحفظ کے لیے آئین مرتب کیا گیا چونکہ ملک میں بہت ساری زبانیں صدیوں سے رائج تھیں۔اسے مساویانہ حق دلانے کے لیے دستور کی آٹھویں فہرست میں 22 زبانوں کو شامل کیا گیا جس میں ہندی، اردو، عربی، فارسی، بنگالی، آسامی اور پنجابی وغیرہ شامل ہیں۔

1956ء میں زبان کی بنیاد پر ریاست کی تقسیم عمل میں آئی اور آندھراپردیش کا قیام ہوا مگر کوئی ریاست ایسی نہ تھی جسے صرف ایک لسانی (زبان) قرار دیا جاسکے۔اکثریتی زبان بولنے والے کے ساتھ ساتھ دوسری زبان بولنے والے بھی موجود تھے۔پنجابی بولنے والا سندھی بھی جانتا تھا۔تامل بولنے والا ملیالم بھی جانتا تھا، تلگو بولنے والا کنڑی بھی جانتا تھا۔آئین کی دفعہ 350A نے اس بات کی ضمانت دی کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے مادری زبان بہتر ہوگی۔لیکن اس کے ساتھ ریاست کی دیگر زبانوں سے بھی واقف ہونا ضروری ہے۔

2.8 یادرکھنے کے نکات

اس یونٹ میں اردو زبان وادب کا مفہوم وتعریف، معنی اور ادب کا زندگی سے رشتہ کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔اس کے علاوہ اصناف ادب اردو نظم ونثر، اس کی تعریف اور قسموں کو بیان کیا گیا ہے۔نظم اور نثر کے درمیانی رشتہ کو بتلایا گیا ہے۔اصناف نثر، داستان، ناول، افسانہ، ڈرامہ، سوانح نگاری اور مکتوب نگاری وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔اسی طرح اصناف نظم میں غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، مرثیہ وغیرہ سے متعلق معلومات دی گئی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے آغاز اور اس کے ارتقا سے متعلق مختلف نظریات جیسے محمد حسین آزاد، مسعود حسین خان کے نظریات کا بھی مفصل طور پر جائزہ لیا گیا ہے۔اس کے علاوہ موجودہ ہندوستان میں اردو کا مقام دستور ہند کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

2.9 فرہنگ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تفسیر	تشریح، مطلب، توضیح	کائنات	دنیا، جہاں، عالم، کل مخلوقات
نشو ونما	ترقی، پرورش، اگنا	مسجع	جس عبارت کے جملے ہم قافیہ ہوں
تمثیلی	جس کی مثال دی جائی، مثالی	مکالمہ	بات چیت
تسکین	سکون، دلاسا، اطمینان	خمیر	جسم کی مٹی، مادہ، بنیاد
دستاویز	کوئی اہم تحریر، اقرار نامہ	معتبر	اعتبار کے قابل، بھروسے مند
تخمینہ	اندازہ، میزانیہ، اٹکل	دارالسلطنت	راجدھانی، صدر مقام، تخت گاہ
تائید	سفارش، امداد، فیضان، مدد	گہوارہ	مرکز، نشوونما کی جگہ

2.10 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں

معروضی جوابات کے حامل سوالات؛

(1) فن کسے کہتے ہیں؟

(2) فنون لطیفہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

(3) اردو زبان کو دستور کی فہرست میں کب شامل کیا گیا؟

(4) آئین کی کس دفعہ کے تحت کہا گیا ہے کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں بہتر ہوگی؟

(5) رباعی میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟

(6) اللہ کی تعریف میں کہی جانے والی نظم کو کیا کہتے ہیں؟

(7) کس محقق کا ماننا ہے کہ اردو پنجاب سے نکلی ہے؟

(8) برج بھاشا کو اردو کا ماخذ کس نے کہا ہے؟

(9) نظم کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(10) آثار الصنادید کے مصنف کا نام کیا ہے؟

مختصر جوابات کے حامل سوالات؛

(1) ادب سے کیا مراد ہے؟ اس کے معنیٰ اور مفہوم بتلایئے۔

(2) اصناف ادب کون کون سے ہیں؟

(3) داستان، ناول اور افسانہ مختصر طور پر بیان کیجیے۔

(4) چند رباعی گو شعرا کے نام بتلایئے۔

(5) چند مرثیہ گو شعرا کے نام بتلایئے۔

(6) آزاد نظم سے کیا مراد ہے؟ نظم اور غزل میں کیا فرق ہے؟

(7) اردو زبان کے آغاز سے متعلق مسعود حسین خان کا نظریہ بیان کیجیے۔

(8) دستور ہند میں موجودہ اردو کا مقام کیا ہے؟

طویل جوابات کے حامل سوالات؛

(1) نظم اور نثر کے درمیان فرق کو بتلایئے۔

(2) اصناف نظم سے کیا مراد ہے؟ غزل، مثنوی، قصیدہ پر مختصر نوٹ لکھیے ۔

(3) اردو زبان کے آغاز و ارتقا کے سلسلے میں مختلف نظریات کون کون سے ہیں؟

2.10 تجویز کردہ مواد

معین الدین	:	اردو زبان کی تدریس
احمد حسین	:	تدریس اردو
انعام اللہ خان شروانی	:	تدریس زبان اردو
غلام نبی مومن	:	اردو زبان اور طریقۂ تعلیم

اکائی3۔ درس وتدریس کے طریقۂ کار

اکائی کے اجزا؛

3.1 تمہید

3.2 مقاصد

3.3 تدریس کا مفہوم وتعریف

3.4 تدریس کی اہمیت

3.5 ایک معیاری/اچھی تدریس کی خصوصیات

3.6 تدریس کے عام اصول

3.7 تدریس کے اقدامی اصول

3.8 تدریس کے طریقۂ کار

3.8.1 کھیل کھیل کا طریقہ

3.8.2 کہانی کا طریقہ

3.8.3 سوال وجواب کا طریقہ

3.8.4 لکچر یا تقریری طریقہ

3.8.5 اداکاری یا ڈرامائی طریقہ

3.8.6 بحث ومباحثہ کا طریقہ

3.8.7 تجربہ اور مشاہدہ کا طریقہ

3.8.8 منصوبائی طریقہ

3.8.9 گروہی تدریس

3.8.10 استقرائی طریقہ

3.8.11 استخراجی طریقہ

3.9 یادرکھنے کے نکات

3.10 فرہنگ

3.11 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں

3.11 تجویز کردہ مواد

3.1 تمہید

انسان جب سے دنیا میں آیا ہے اسے روز اوّل سے ہی معلومات حاصل کرنے اور سیکھنے سکھانے کی ضرورت پیش آئی ہے، یہ سیکھنا ،سکھانا زندگی کے تمام معاملات پر مشتمل ہے۔تعلیم وتعلّم اور حصول معلومات کا یہ عمل بغیر استاد و معلّم کے انجام نہیں پاتا۔ایک معلّم اپنے اندر موجود علمی مواد وافکار کو طلبہ کے اندر منتقل کرتا ہے تو یہ عمل ''تدریس'' کہلاتا ہے۔زمانۂ قدیم میں تدریس کا عمل ایک غیر منظّم اور غیر مربوط شکل میں تھا، کھلے میدان، درختوں کے نیچے سایہ دار جگہ اور گاؤں کی چوپالیں ہی ان کے مدارس تھے۔اور سیکھنے والوں کو جب بھی فرصت کے اوقات میسّر آتے وہ معلّم کی خدمت میں حاضر ہوکر تدریس سے فائدہ اٹھاتے۔

موجودہ دور میں زندگی کی جملہ شاہراہوں نے بہت ترقی کی ہے لہٰذا تدریس میں بھی عمدگی، تنظیم وترتیب کے ساتھ مدارس، موادِ مضمون اور تدریس کو موثّر و کامیاب بنانے کے لیے دیگر لوازمات نے اس کو خوب ترقی یافتہ بنا دیا ہے۔عصر حاضر کے خوب صورت وآرام دہ مدارس، صاف وشفاف کمرۂ جماعت، قابل معلمین اور دیدہ زیب اور جاذب نظر کتابیں ودیگر مواد تعلیم اس کا شاہد ہے کہ عمل تدریس نے موجودہ دور میں اپنی حد کو پالیا ہے۔

ابتدائی جماعت سے لے کر یہاں تک آپ مختلف مضامین پڑھے ہوں گے۔کئی اساتذہ سے آپ نے تعلیم حاصل کی ہوگی۔درس و تدریس کے اس طویل عرصے میں آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ہر معلم کے تدریس کا طریقہ الگ الگ ہوتا ہے۔کچھ اساتذہ اپنی تدریسی خصوصیات کی بنا پر آپ کے ذہن پر مثبت نقوش چھوڑے ہوں گے۔دراصل اساتذہ اپنی تدریس میں جو مختلف طریقے اپناتے ہیں اس کا مقصد ہوتا ہے سبق کو کامیابی سے ہمکنار کرنا اور طلبہ کو خاطر خواہ فائدہ پہنچانا۔جب استاد یہ محسوس کرتا ہے کہ سبق طلبہ کے دماغ وذہن پر منعقش ہوگیا ہے تو وہ اپنی تدریس کی کامیابی پر ایک خوشی محسوس کرتا ہے۔

تدریس کا مفہوم واہمیت، ایک معیاری تدریس کی خصوصیات، تدریس کے اصول اور تدریس کے مختلف طریقوں کی تفہیم سے واقف ہونے کے بعد امید کی جاسکتی ہے کہ آپ اپنی تدریس میں ندرت ونکھار پیدا کرسکیں اور خود کو ایک کامیاب معلم ثابت کرسکیں۔

3.2 مقاصد

اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ☆ تدریس کا مفہوم وتعریف بیان کرسکیں۔
- ☆ تدریس کی اہمیت وافادیت کو سمجھا سکیں۔
- ☆ تدریس کے عام اصول اور اقدامی اصول کے درمیان فرق کو واضح کرسکیں۔
- ☆ تدریس کے مختلف طریقۂ کار سے واقفیت حاصل کرسکیں۔

3.3 تدریس کا مفہوم وتعریف

تدریس کے معنی درس دینا، بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا یا مختلف علوم وفنون میں مہارت پیدا کرنا ہے۔تدریس کے ذریعے معلّم بچّوں کو

طرح طرح کی معلومات فراہم کرتا ہے۔انہیں مختلف باتیں جاننے، سیکھنے یا کرنے کا موقع دیتا ہے اور مستقبل کی زندگی کے لیے انہیں تیار کرتا ہے۔

تدریس کا کام اس وقت انجام پاتا ہے جب کوئی سیکھنے والا ہو (طالب علم)، کوئی سکھانے والا ہو (معلّم)، کوئی چیز ہو جو سکھائی جائے (مواد مضمون) تدریس کے ذریعے معلّم، طلبہ اور مضامین کے مواد میں ربط قائم کرتا ہے۔معلّم کے لیے ضروری ہے کہ وہ طلبہ، مضامین کے مواد اور طریقۂ تدریس تینوں سے بخوبی واقف ہو اور ان صفات کا حامل ہو جو بچّوں سے بحسن وخوبی پیش آنے اور ان کو فیض پہنچانے کے لیے درکار ہیں۔

تدریس ایک معاشرتی اور جمہوری عمل ہے جس میں طلبہ کو مرکزی ومحوری حیثیت حاصل ہے۔تدریس اسی وقت موثّر ومفید ثابت ہوتی ہے جب طلبہ تدریس میں فعال کردار ادا کریں۔طلبہ کو پوری آزادی حاصل ہو اور وہ خود عمل وتجربات سے علم حاصل کریں۔آج ہر مفکّر تعلیم اس بات پر متفق ہے کہ تدریس طلبہ کی نفسیات سے ہم آہنگ ہونی چاہیے اس سے تدریس میں دلکش اثرات مرتّب ہوں گے۔

تدریس کی تعریف	:	مختلف ماہرین نے تدریس کی تعریف اس طرح کی ہیں۔
این ایل گیز کے مطابق	:	’’ تدریس ایک قسم کا باہمی اثر ہے۔جس کا مقصد دوسرے انسان کے برتاؤ میں تبدیلی لانا ہے۔‘‘
ریانس کے مطابق	:	’’ دوسروں کو سیکھنے کے لیے صحیح ہدایت دینے اور دوسری طرح سے ان کی رہنمائی کرنے کے عمل کو تدریس کہا جاتا ہے۔‘‘
بی، او اسمتھ کے مطابق	:	’’ تدریس ہدایتی عمل کا ایک مقصد ہے‘‘
سمپسن اور دوسرے	:	’’ تدریس کا مطلب اس سلسلے سے ہے، جس میں تجربہ کار گروہ کے لوگ اپنے ناتجربہ کار اور ناپختہ افراد کی زندگی سے مطابقت قائم کرنے میں رہنمائی کرتے ہیں۔‘‘
بی ایف اسکینر کے مطابق	:	’’ تدریس قوّت بخشی کا اتفاقیہ (حادثاتی) سلسلہ ہے‘‘
کلارک کے مطابق	:	’’ تدریس کی تشکیل وتنظیم طلبہ کے عادات واطوار میں تبدیلی کے لیے کی جاتی ہے‘‘
سینٹ تھامس کے مطابق	:	’’ کسی طرح سے کسی کو معلومات اور علم دینا تدریس ہے‘‘
ایچ، سی، موریسن کے مطابق	:	’’ تدریس وہ عمل ہے جو زیادہ باوقار شخصیت اور کم پختہ شخصیت کے درمیان آتا ہے اور وہ کم پختہ شخصیت کی آئندہ تعلیم کا انتظام کرتا ہے‘‘

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ تدریس سے مراد ایسی معلومات بہم پہنچانا جو طلبہ میں جذبۂ تجسّس ابھارے اور زندگی کو آسان طریقے سے گزارنے کے قابل بنائے۔گویا تدریس کی مدد سے معلم، طالب علم اور مضامین میں ربط قائم کرتا ہے۔

3.4 تدریس کی اہمیت

تدریس نفس مضمون کو معیاری اور نفسیاتی انداز میں پیش کرنے کے عمل کا نام ہے۔تدریس نفس مضمون، معلّم اور طلبہ کے درمیان ایک رشتہ پیدا کرتی ہے، معلّم جب کسی شئے کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے تو وہ ایک طرف اس شئے کے بارے میں ساری معلومات کو ذہن

میں رکھتا ہے اور دوسری طرف طلبہ کے تقاضوں اوران کے نفسیاتی عوامل کی طرف متوجہ رہتا ہے۔تدریس طلبہ کے رجحانات، کرداراور شخصیات پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ تدریس ایک امدادی شئے ہے جو بچّے کو موثر انداز میں اس کے ماحول کے مطابق ردّعمل کے لیے تیار کرتی ہے۔تدریس طلبہ کی عادتیں،شعوراور دلچسپیوں کوفروغ دیتی ہے تاکہ وہ زندگی میں مطابقت پیدا کرنے کے لائق ہوجائیں۔

تدریس ایک حرکی اورارتقا پذیرعمل ہے جوطلبہ کے اندرسماج کی قدروں کا احساس پیدا کرتا ہےاورسماج کی فلاح وبہبود کے لیے کام کرتا ہے۔زیرتربیت اساتذہ کے لیےان سرگرمیوں کی بہت اہمیت ہے کیوں کہ وہ اپنی تربیت کے دوران ان میں واضح تصوّر رکھتے ہیں کہ کمرۂ جماعت میں داخل ہونے سے پہلے، کلاس کے دوران اور خاتمہ پرسرگرمیاں بجالائی جاتی ہیں اوران کے ذریعہ سے اثرات پیدا کیے جاتے ہیں اور پھر مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں۔

- ☆ تدریس کے ذریعہ معلومات میں وسعت، مہارتوں،اہلیتوں اوررجحان کا فروغ ہوتا ہے۔
- ☆ تدریس کے ذریعہ واضح تفکّرات، ذوق سماعت، بحث ومباحثہ، تجربات، منصوبہ سازی، مسائل کے حل، دوسروں کا لحاظ اور ذمہ دارنہ کام کی عادت جیسی اہم خصوصیات کو پروان چڑھانے میں مدد ملتی ہے۔
- ☆ تدریسی سرگرمیاں تدریس کی نوعیت ومتغیرات کو سمجھنے نیز ان کے باہمی تعلق کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔
- ☆ تدریسی سرگرمیوں کے منظّم انعقاد سے معلم اور طالب علم کے درمیان بہتر تال میل پیدا ہوتا ہےاورتدریسی مقاصد کے حصول میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔
- ☆ تدریسی سرگرمیاں تعلیمی ماحول پیدا کر کے تعلیم کے مختلف گوشوں پر اثر انداز ہوتی ہیں اور یوں تدریس وتعلیم میں گہرا تعلق بنتا جاتا ہے۔
- ☆ تدریسی سرگرمیوں کے ذریعہ سے تعلیم کے تینوں مدارج حفظ،فہم اورفکر کی احسن وضاحت ہوسکتی ہے۔
- ☆ تدریس کے ذریعہ بچوں کی انفرادیت کواختراعی اظہار کا موقع ملتا ہے۔
- ☆ تدریس لفظی اورزبانی اہمیت کومقصدی اورحقیقی حالات میں اکتساب کرنے کے قابل بناتی ہے۔
- ☆ تدریس کے ذریعہ طلبہ کوخودآموزی کے طریقوں کی تربیت ملتی ہےاورطلبہ میں صلاحیت پیدا ہوجاتی ہےجس سے شخصی کوشش اور وجدان کے ذریعہ حصول معلومات کا طریقہ سیکھتا ہے۔
- ☆ تدریس کے ذریعہ طلبہ میں مزید مطالعہ اورانکشافات کی خواہش کوتحریک ملتی ہے۔

مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ استاد کا ہروقت بچوں سے رابطہ رہتا ہےمگر خیال رہے کہ تدریس نہایت ہی پیچیدہ عمل ہے۔اس کے ذریعہ سے طلبہ کے حصول علم کے درجے کی نشاندہی ہوتی ہے۔لہٰذا ہر وہ استاد جو اپنی تدریس کو بہتر بنانا چاہتا ہےاسے چاہیے کہ تدریس کے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے تدریسی طرزعمل کا تجزیہ کرےاوراس کے مطابق متحرک اورتخلیقی انداز میں تدریس کوفروغ دے۔

3.5 ایک معیاری/اچھی تدریس کی خصوصیات

مشہور ماہرتعلیم سمپسن نے اپنی کتاب ''جدید تدریسی طریقۂ کار'' میں ایک اچھی تدریس کی خصوصیات اس طرح بیان کی ہیں۔

مطلوبہ اطلاع دینا۔ مطلوبہ اطلاع دینا تدریس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ بچوں کی ضروریات، دلچسپیاں ان کی تعلیمی سطح، سماجی ضروریات اوران کی نفسیات کا خاص خیال رکھتے ہوئے ایسی معلومات بہم پہنچانا ہے جو ان کے لیے ضروری ہیں۔ ہر سطح پر بچوں کی ضروریات مختلف ہوتی ہیں اس لیے بچوں کے اس امتیاز کو مدّ نظر رکھتے ہوئے افعال تدریس کو انجام دیا جائے۔

رہنمائی کرنا۔ عمدہ تدریس وہی ہے جو بچوں کو سیکھنے میں صحیح رہنمائی کرے۔ معلّم کو چاہیے کہ وہ طلبہ کی دلچسپیوں، صلاحیتوں، لیاقتوں اور ضرورتوں کا پتہ لگائے اور انہیں کے مطابق رہنمائی کرے۔ مانٹیسری، کنڈر گارٹن، ڈالٹن وغیرہ کے تدریسی طریقوں کی تعمیر اسی اصول کی بنیاد پر ہوئی ہے۔

منتخب باتوں کا علم۔ موجودہ دور' معلومات کے دھماکہ کا دور ہے۔ روز بروز نت نئی دریافتیں اور جدید علوم منظر عام پر آ رہے ہیں۔ ایک انسان کے لیے مشکل ہے کہ وہ یکساں طور پر ان تمام علوم پر عبور حاصل کر سکے۔ اس لیے معلم کو چاہیے کہ طلبہ کو منتخب معلومات فراہم کرے جو ان کی ضروریات اور عقل وفہم سے میل کھاتے ہوں۔

ہمدردانہ۔ اچھی تدریس کے لیے ضروری ہے کہ معلم بچوں کے ساتھ باہمی دوستی اور ہمدردی کا سلوک کرے۔ جس کی وجہ سے طلباء بے جھجھک معلّم سے اپنے دل کی بات کہہ سکیں اور اپنے مسائل کو اس کے سامنے پیش کر سکیں۔ چوں کہ معلّم بچوں کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اس لیے بچوں کی غلطیوں پر صرف سزا دینا اس کا کام نہیں بلکہ ان کو سدھارنا ہی اس کا اصل فریضہ ہے۔ اس لیے درس وتدریس نرمی پر منحصر ہوتی ہے نہ کہ سنگ دلی وسختی پر۔

تعاون پر منحصر۔ تدریس دوطرفہ عمل ہے۔ اس کے لیے معلّم اور شاگرد کے درمیان آپسی تعاون کا ہونا ضروری ہے۔ اگر طلبہ کا معلّم کے ساتھ بھر پور تعاون نہیں ہوگا تو تدریس کبھی کامیاب وموثر نہیں ہوسکتی۔ طلبہ کے تعاون کے لیے ضروری ہے کہ معلّم ان کے ساتھ انسیت کا معاملہ روا رکھے اور حصول تعلیم کے لیے درکار سہولتیں انہیں فراہم کرے۔

جمہوری۔ موجودہ زمانہ جمہوریت کا زمانہ ہے۔ اس لیے معلّم کمرۂ جماعت کے ہر ایک طالب علم کے ساتھ یکساں سلوک کرے اور طلبہ کے درمیان کسی قسم کا کوئی امتیاز نہ کرے۔ حقیقت میں عمدہ تدریس وہی ہے جو بچوں میں جمہوری رجحان پیدا کرے اور وہ اپنے روزمرّہ کے برتاؤ اور عمل میں جمہوری جذبات مثلاً انصاف، آزادی، مساوات اور بھائی چارا وغیرہ کی ترغیب حاصل کریں اور ان میں ان خیالات کو زندگی میں اتارنے کا احساس پیدا ہو۔

ترقی پذیر۔ بچے کی حقیقی تعلیم اس کے ذاتی تجربوں پر منحصر ہونی چاہیے۔ عمدہ تدریس بچے کے سابقہ تجربوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے جدید علم پیش کرتا ہے۔ اس سے بچوں کے برتاؤ میں تبدیلی اور اصلاح ہوتی ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عمدہ تدریس ترقی پذیر ہوتی ہے۔

3.6 تدریس کے عام اصول

کامیاب تدریس کا مطلب ہے ایسی تدریس جس میں شاگردوں کو مضمون سے متعلق جو مواد پڑھائے جارہے ہوں اسے وہ اچھی طرح سیکھ سکیں۔ سیکھنے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے میں بھی وہ معاون ہوں۔ اس عمل کے لیے تعلیم کے ماہرین نے کچھ اصولوں کی ایجاد کی ہے جنہیں تدریسی اصول کہتے ہیں۔ ان اصولوں کا علم ہر مدرس کے لیے ضروری ہے کیوں کہ اس سے تدریس میں دلچسپی، آسانی اور سائنسی

رجحانات کوفروغ ملتا ہے۔ یہ اصول ''طفل مرکوزیت'' پر منحصر ہوتے ہیں۔تدریسی اصول کی اہمیت وافادیت کامیاب تدریس کے لیے بہت اہم ہے۔تدریسی اصولوں کے ذریعہ درجاتی تدریس میں آسانی، جوش وولولہ اور سیکھنے میں مدد ملتی ہے اور طلبہ مضمون کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔اس لیے ایک ماہر استاد کو ان تمام تدریسی اصولوں کا مکمّل علم ہونا بے حد ضروری ہے۔ایک کامیاب استاد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کون سے اصول کا استعمال اسے کہاں کرنا چاہیے۔

تدریسی اصولوں کا استعمال تدریسی عمل کو سہل بنا دیتا ہے۔اس کے ذریعے کسی بھی مضمون کو سمجھنے میں طلبہ کو آسانی ہو جاتی ہے اس لیے درجاتی تدریس میں تدریسی اصولوں کی اہمیت وافادیت ایک استاد کے لیے ضروری ہے۔

ذیل میں تدریس کے کچھ عام اصول دیے جا رہے ہیں۔ یہ طویل تدریسی تجربات اور بچوں کی نفسیات کی روشنی میں مرتب کیے گئے ہیں۔سارے مضامین اور ہر طرح کے اسباق میں انہیں حتی الامکان ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ تدریس مفید اور موثر ہو سکے۔

آمادگی کا اصول: اس اصول کے تحت سبق کی تدریس سے پہلے طلبہ کو ذہنی طور پر تیار یعنی کہ آمادہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ جس کام کے لیے طبیعت پورے طور پر آمادہ ہوتی ہے وہ دلچسپی سے کیا جاتا ہے اور جو کام کسی طرح کے دباؤ یا زبردستی کے تحت انجام پاتا ہے وہ بے کار سمجھ کر ٹال دیا جاتا ہے۔ہم سب جانتے ہیں کہ بچّے توجّہ اور انہاک سے گھبراتے ہیں۔کسی طرح کا جبر اور دباؤ پسند نہیں کرتے، لکھنے پڑھنے جیسے خشک کام سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ چنانچہ انہیں لکھنے پڑھنے پر آمادہ کرنے کے لیے اساتذہ عموماً ڈراتے دھمکاتے اور جبر وتشدّد سے کام لیتے ہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر بچے اس کام سے اور زیادہ گھبراتے اور تعلیم سے بھاگنے لگتے ہیں اسی لیے پڑھانے سے پہلے بچوں کو بخوبی آمادہ کر لینا نہایت ضروری ہے۔اس کے لیے حسب موقع مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔

- ☆ موزوں سوالات ،مختصر گفتگو،خوش رنگ تصاویر، جاذب توجہ ماڈل وغیرہ کے ذریعہ نئی معلومات کے لیے بچوں کا تجسّس بیدار کیا جائے۔
- ☆ سبق کی غرض وغایت اور جو کچھ پڑھنے جا رہے ہیں اس کی ضرورت وافادیت بخوبی ذہن نشیں کرا دی جائے۔
- ☆ کام میں کھیل یا مسابقت کی روح پیدا کی جائے یا تدریسی مواد کو کہانی کی شکل میں پیش کیا جائے۔
- ☆ بچوں کو کچھ بتانے یا عملی کام کرنے کا موقع دیا جائے۔
- ☆ سبق کو آگے بڑھانے میں ان کی امداد اور مشوروں کو اہمیت دی جائے۔

آمادگی کے بعد توجہ اور دلچسپی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ چوں کہ جس کام کو کرنے کے لیے طلبہ بخوشی آمادہ ہو جائیں گے اس پر وہ پوری توجہ بھی صرف کریں گے اور بعد میں خواہ دشواریاں بھی پیش آئیں پوری دلچسپی اور توجہ سے کام لیں گے۔

انتخاب کا اصول: بچوں کو صرف وہی پڑھایا اور سکھایا جائے جو ان کے لیے نہایت ضروری، مفید، مناسب اور ان کی فطرت وصلاحیت اور مقصد کے عین مطابق ہو اور جسے معلم اپنے محدود وسائل وذرائع سے بخوبی انجام دے سکتا ہو۔اس لیے معلم کو چاہیے کہ مواد مضمون اور طریقۂ تدریس کا نہایت احتیاط سے انتخاب کرے اور اسی شئے کے حصول پر بچوں کا وقت صرف کرائے جو واقعی ضروری اور نفع بخش ہو۔فضول اور بے مطلب کی باتوں میں وقت ضائع نہ ہونے دے۔

استقرائی طریقہ	استخراجی طریقہ
(1) مخصوص واقعات اور انفرادی مثالوں پر پہلے غور کیا جاتا ہے اور ان سے تعریفیں، قاعدے اور کلیے اخذ کیے جاتے ہیں۔	(1) تعریفیں ،قاعدے اور کلیے پہلے بتادیے جاتے ہیں پھر مخصوص واقعات یا انفرادی مثالوں پر انہیں منطبق کیا جاتا ہے۔
(2) اس سے جدید معلومات حاصل ہوتی ہے۔	(2) اس سے سابقہ معلومات مستحکم ہوتی ہیں۔
(3) یہ انکشاف وتحقیق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔	(3) اس سے دوسروں کی معلومات کی صرف تصدیق ہوتی ہے۔
(4) یہ بہت سست رفتاری کا طریقہ ہے کیوں کہ بچے خود رفتہ رفتہ تجربہ ومشاہدہ کر کے کسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔	(4) اس طریقہ سے کام کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ کیوں کہ بچے کو خود تجربہ یا مشاہدہ کرنا نہیں پڑتا ہے بلکہ بڑوں کے علم وتجربے سے کام چل جاتا ہے۔
(5) مختلف ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں مثلاً غور وفکر، استدلال، قوت فیصلہ وغیرہ کی تربیت ہوتی ہے۔	(5) زیادہ تر حافظہ سے کام لینا پڑتا ہے۔ ذہن کی دوسری قوتوں کو کام میں لانے کا کم ہی موقع ملتا ہے۔
(6) بچوں میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔	(6) اساتذہ پر تکیہ کرنے کی عادت پڑتی ہے۔
(7) اس میں خیالات کا رخ بلندی کی طرف ہوتا ہے اور مخصوص واقعات سے کلیات اخذ کرنے کی فکر ہوتی ہے۔	(7) خیالات کا رخ پستی کی طرف ہوتا ہے اور کلیات سے مخصوص واقعات کی طرف آنا پڑتا ہے۔
(8) خود کر کے سیکھنے کا موقع ملتا ہے اس لیے علم پختہ اور کارآمد ہوتا ہے۔	(8) دوسروں کے بتانے پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے چنانچہ اس علم پر پورا یقین بھی نہیں جمتا۔
(9) یہ طریقہ بچوں کے لیے موزوں ہے۔	(9) یہ طریقہ بڑوں کے لیے موزوں ہے۔

زندگی سے مربوط کرنے کا اصول: اس سے مراد معلومات حتی الامکان بچوں کی روزمرّہ کی زندگی کے واقعات، ان کی سابقہ معلومات ، ان کے تجربات ومشاہدات اور سماجی وفطری ماحول سے مربوط کر کے فراہم کی جائیں۔ اس طرح بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی اور بخوبی ذہن نشیں ہو جائے گی۔ ساتھ ہی بچوں پر جدید معلومات کی ضرورت اور افادیت واضح کرنے اور روزمرّہ کی زندگی میں اس کے استعمال کا سلیقہ سکھانے میں بھی مدد ملے گی۔ جس چیز کا زندگی سے کوئی ربط محسوس نہ ہو یا اس کی ضرورت وافادیت نظر نہ آئے اسے سیکھنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی اور نہ زیادہ دیر تک وہ ذہن میں محفوظ رہتی ہے۔

خود کر کے سیکھنے کا اصول: معلم کو چاہیے کہ ساری باتیں خود بتانے کے بجائے بچوں کو خود کر کے یا اپنی طرف سے سیکھنے کا موقع فراہم کرے۔ جن اسباق میں خود کر کے سیکھنے کے امکانات نہ ہوں ان کو کم از کم کسی عملی کام پر ختم کیا جائے۔ مثلاً زبانی طور پر بتانے کے بعد اس سے متعلق تحریری کام لینا، معلوماتی اسباق سے متعلق ایسے کام سپرد کرنا جس میں طلبہ کو خود کرنا پڑے۔ مثلاً ٹکٹ یا تصاویر جمع کرنا، کوئی ماڈل یا منظر بنانا، پھول پتیاں وغیرہ جمع کرنا۔

بچے چونکہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے اور بناتے بگاڑتے رہتے ہیں، اسی میں انہیں لطف بھی آتا ہے اور اسی طرح وہ بہت کچھ سیکھتے اور تجربات حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے اگر تدریس میں اس کا اہتمام کیا جائے تو تعلیم زیادہ آسان، موثر اور دلچسپ ہو جاتی ہے اور بچے جو کچھ سیکھتے ہیں وہ زیادہ پختہ اور دیرپا ہوتا ہے۔

تقسیم کا اصول: استاد کو جو کچھ پڑھانا ہوا سے مناسب اجزا میں تقسیم کر کے پڑھائے۔ یہ تقسیم اس انداز کی ہو کہ ہر جز اپنے پہلے اور بعد کے اجزا سے فطری طور پر مربوط رہے۔ اور یہ درمیان کی منزل اور کڑی بھی رہے۔ اس طرح قدم بہ قدم آگے بڑھنے اور مناسب اجزا میں تقسیم کر کے معلومات کو پہنچانے سے سمجھنا بھی آسان ہوتا ہے اور سلسلہ وار ترتیب سے یاد بھی ہو جاتا ہے۔ اس کا لحاظ کیے بغیر تعلیم دینے سے معلومات الجھی ہوئی رہتی ہیں اور بوقت ضرورت ٹھیک طرح سے استعمال نہیں ہو پاتیں۔

اعادہ کا اصول: یعنی جو کچھ بچوں کو پڑھایا جائے اس کا اعادہ اور مشق کرا کے خوب یاد کرا دیا جائے۔ بہت زیادہ معلومات پہنچانے کی فکر میں اکثر اساتذہ اعادہ کی طرف سے غفلت برتتے ہیں جس سے سبق کی تفہیم میں مدد نہیں ملتی اور تدریس کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ بچوں کو یاد کیا ہوا سابقہ سبق بھول جاتا ہے۔ اور اگلا ان کی سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ اس لیے اعادہ اور مشق کی طرف غیر معمولی توجہ دینی چاہیے۔ سبق کے ہر جز کے بعد اس جز کا اور سبق کے اختتام پر پورے سبق کا اعادہ کرایا جائے۔ ہفتے میں کم از کم ایک دن اعادہ اور مشق کے لیے مخصوص کر دیا جائے تا کہ ہفتے بھر کا کام بخوبی ذہن نشیں ہو جائے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ علم پر قدرت حاصل کرنے کے لیے اعادہ ناگزیر ہے۔

3.7 تدریس کے اقدامی اصول

اقدامی اصولوں سے مراد وہ اصول ہیں، جن کے مطابق زبان کی تدریس میں اقدام کیا جاتا ہے۔ یہ وہ اصول ہیں جو سبق کو دلچسپ ، واضح اور کامیاب بناتے ہیں اور طالب علم کے لیے سبق سے مستفید ہونے کے سلسلے میں دشواری نہیں ہونے دیتے۔ یہ اصول درج ذیل ہیں:

معلوم سے نامعلوم کی طرف: اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ جو باتیں طلبہ کو پہلے سے معلوم ہیں انہیں کے سہارے انہیں نئی باتیں بتائی یا سمجھائی جائیں۔ تدریس کا یہ فطری طریقہ ہے۔ اس طرح بات ٹھیک ٹھیک سمجھ میں آتی ہے۔ کیوں کہ اول تو بچوں کا ذہن انہیں چیزوں میں توجہ اور دلچسپی کا اظہار کرتا ہے جن میں ندرت اور نئے پن کے ساتھ کسی حد تک انسیت بھی ہو۔ بالکل نئی چیز جس کا سابقہ تجربات و مشاہدات سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہ ہو بچوں کے نزدیک کبھی قابل قبول نہیں ہوتی۔ دوسرے، نئی چیز کی توضیح و تشریح بہر حال سابقہ معلومات کی روشنی میں کی جا سکتی ہے۔

اس اصول کا تقاضا ہے کہ تدریس میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے:

- ☆ ہر نئے سبق سے متعلق بچوں کی سابقہ لیاقت کا ٹھیک ٹھیک تعین کر لیا جائے تا کہ اس کی بنیاد پر نئی باتیں بتائی یا سکھائی جا سکیں۔
- ☆ سبق کی تمہید میں ایسے سوالات کیے جائیں جن سے بچوں کی سابقہ معلومات کا بخوبی اندازہ ہو سکے، سوالات موضوع سے متعلق ہونے کے ساتھ ایسے آسان ہونے چاہئیں کہ جواب دینے میں بچوں کو دشواری نہ ہو اور ایسے انداز سے پوچھے جانے چاہئیں کہ وہ اپنے دل کی بات بتا دیں۔
- ☆ ایک مضمون کے مختلف اسباق اس انداز سے ترتیب دیے جائیں کہ ہر اگلے سبق کا سابقہ اسباق سے تعلق قائم ہوتا جائے۔
- ☆ جدید معلومات کا بچوں کی سابقہ معلومات سے موازنہ و مقابلہ کر کے مشابہت یا فرق کو اچھی طرح ذہن نشیں کرا دیا جائے۔
- ☆ بچوں کے تصوّرات و تجربات ناقص اور مبہم ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی سابقہ لیاقت سے فائدہ اٹھاتے وقت ان کے سابقہ تصوّرات کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے۔

آسان سے مشکل کی طرف: اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ پہلے وہ چیزیں پڑھائی جائیں جو آسان اور باقاعدہ ہوں اور ان آسان و سہل چیزوں کے ذریعہ بتدریج مشکل اور بے قاعدہ چیزوں کی طرف چلا جائے۔ یہ اصول بھی پہلے اصول کی طرح تعلیم کے ہر شعبے اور ہر سبق میں کارآمد ہے لیکن تدریس زبان میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ زبان میں پڑھنے، لکھنے اور بولنے میں کئی مشکل مقام آتے ہیں۔ قواعد کی دشواریاں معروف و مشہور ہیں۔ اگر سبق کی ابتدا میں کسی مشکل مسئلے کی بحث شروع کر دی جائے، تو اس سے طالب علم کے ذہن پر برا اثر پڑتا ہے۔ وہ سبق کی دشواری سے تنگ آ جاتا ہے۔ بعض اوقات اس کی پریشانی اسے سبق سے نفرت کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے مصلحت اسی میں ہے کہ طلبہ کو پہلے وہ چیزیں سکھائی جائیں جو آسان و سہل ہوں اور آہستہ آہستہ مشکل کی طرف بڑھا جائے۔

سبق کے بہت مشکل ہونے کی صورت میں جہاں طلبہ میں مایوسی اور بد دلی پیدا ہوتی ہے وہیں بہت آسان ہونے کی صورت اکتاہٹ اور عدم توجہی کا اندیشہ ہوتا ہے اور اس پر وقت صرف کرنے سے کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے سبق کے شروع میں آسانی کا اہتمام کیا جائے اور آخر میں بتدریج مشکلات پیدا کی جائیں تاکہ بچوں کو مسائل و مشکلات سے نمٹنے کا سلیقہ آ جائے۔

سادہ سے پیچیدہ کی طرف: معلم کو چاہیے کہ ہر سبق میں سادہ تصورات پہلے بتائے پھر بتدریج پیچیدہ باتیں سمجھائے۔ اسی طرح بچوں کی عمر، ان کی فہم، ان کے تجربات و مشاہدات کو سامنے رکھ کر ہر مضمون کا نصاب اس انداز سے ترتیب دیا جائے کہ سادہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والے مواد پہلے ہوں اور پھر بتدریج مشکل اور پیچیدہ مواد لیا جائے۔ مثلاً۔ ریاضی میں ایک قاعدہ سمجھانے کے بعد مشق کے لیے پہلے اس قاعدے سے بہ آسانی نکلنے والے چند سوالات دیے جائیں، پھر بتدریج عبارت میں پیچیدگی لائی جائے اور آخر میں ایسے سوالات دیے جائیں جن کو حل کرنے کے لیے اس قاعدے کے ساتھ پہلے سے پڑھے ہوئے بعض قاعدوں کو بھی استعمال کرنے کی ضرورت پڑے۔ قاعدے، ضابطے سکھاتے وقت بھی اسی اصول کو سامنے رکھا جائے۔ یعنی شروع میں سادہ قاعدے بتائے جائیں، رفتہ رفتہ پیچیدہ، لیکن سادگی اور پیچیدگی کا فیصلہ ہمیشہ بچوں کے معیار سے ہونا چاہیے، کیوں کہ ایک چیز بڑوں کو بظاہر بہت ہی سادہ محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ایک بچہ کے لیے وہ بڑی پیچیدہ ہوتی ہے اور مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔

ٹھوس سے مجرّد کی طرف: اس اصول کے مطابق مجرّد تصورات کو قائم کرانے کے لیے ٹھوس اشیا کی مدد لی جائے۔ مثلاً بچوں کو گنتی، پہاڑے، جوڑنا، گھٹانا وغیرہ سکھانے کے لیے انگلیوں، بال فریم، گولیوں اور بیجوں وغیرہ سے مدد لی جائے تو بڑی سہولت ہوتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ بغیر کسی چیز کی مدد کے جوڑنے گھٹانے لگتے ہیں۔ اسی طرح ماڈل، تصاویر، نقشہ جات وغیرہ کی مدد سے مجرّد تصوّرات آسانی سے قائم کرائے جا سکتے ہیں۔ بالکل نئی یا نامانوس چیز کا تعارف کرانا ہو تو اس کا ماڈل یا تصویر دکھانے سے تصورات واضح بنتے ہیں۔ اس اصول سے فائدہ اٹھانے کے لیے درج ذیل امور کو پیش نظر رکھنا چاہیے:

- ☆ اسباق کی ابتدا ٹھوس متعین مثالوں سے ہو۔ لیکن اختتام حتی الامکان مجرّد تصورات پر ہونا چاہیے۔
- ☆ ٹھوس اشیا یا متعین مثالوں سے اسی وقت تک مدد لی جایے جب تک ضروری ہو۔ رفتہ رفتہ مجرد تصورات قائم کرانے کی فکر کی جائے۔
- ☆ مجرد تصورات قائم ہو جانے کے بعد انہیں مجرد ہی نہ چھوڑا جایے بلکہ ٹھوس یا متعین مثالوں پر استعمال کر کے مزید تفصیلات فراہم کی جائیں۔

غیر معیّن اور غیر واضح تصوّر سے معین اور واضح کی طرف: تعلیم کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ طلبہ کے ذہن میں چیزوں کے متعلق جو معلومات سطحی، غیر واضح اور غیر معین ہیں انہیں تدریسی عمل کے ذریعے سے معین اور واضح طور پر ذہن نشیں کرایا جائے۔ چوں کہ بچوں کے

تجربات ومشاہدات ناقص ہوتے ہیں اس لیے اس لیے مختلف چیزوں کے بارے میں ان کے تصورات غیر معین وغیر واضح ہوتے ہیں۔ معلم کو چاہیے کہ وہ انہیں رفتہ رفتہ معین اور واضح کرے تاکہ بچوں کا علم پختہ اور قابل اعتماد ہو۔ یہ کام اس طرح ہوسکتا ہے کہ بچوں کو تجربات ومشاہدات کے کافی مواقع دیے جائیں اوران کی قوت مشاہدہ کی بخوبی تربیت ہوتا کہ وہ مشاہدے میں آنے والی چیزوں سے سرسری طور پر نہ گزر جائیں۔ بچوں کے غلط اور ناقص تصورات کو ٹھیک اور واضح کرنے کے لیے تصاویر، نقشہ جات، توضیح وتشریح اور مثالوں سے مدد لی جائے۔ تدریس زبان کے سلسلے میں اس اصول کی اہمیت بھی واضح ہے۔ لسانی نشوونما میں ابتدا غیر واضح چیزوں سے ہوتی ہے لیکن رفتہ رفتہ وہ واضح تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔

خاص سے عام کی طرف: اس اصول کے مطابق خاص واقعات یا مثالیں طلبہ کے سامنے پہلے پیش کیے جائیں اس کے بعد ان کے عام قواعد وقوانین اخذ کیے جائیں بلکہ صحیح طرز عمل یہ ہے کہ خاص واقعات ومثالوں کے ذریعہ طلبہ کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ ان مثالوں پر خوب غور وفکر کر کے عام اصول خود بخود اخذ کر سکیں۔ جس تدریسی عمل میں طلبہ کے اندر یہ قابلیت پیدا ہو جاتی ہے، وہ عمل کامیاب ہے۔

معلم کو چاہیے کہ خاص خاص واقعات پہلے بتائے اور عام باتیں بعد میں ذکر کرے۔ کوئی عام اصول اخذ کرنے یا کسی عمومی نتیجے پر پہنچنے کے لیے بچوں کو جانچنے، پرکھنے اور تجربہ ومشاہدہ کرنے کے لیے کافی مواقع دیے جائیں۔ اخلاقی اصول وضابطہ سمجھانے کے لیے نظری بحث کرنے کے بجائے متعین واقعات بتائے جائیں۔ تاریخی شخصیتوں کے مشہور واقعات پہلے سنائے جائیں اور باقاعدہ تاریخ اور قوموں کی عروج وزوال کی داستان تسلسل کے ساتھ بعد میں بتائی جائے۔ لسانی تدریس اور صرف ونحو کی تعلیم میں یہ اصول بہت مفید، کارآمد اور کامیاب ہے۔

منطقی ترتیب اور نفسیاتی ترتیب کا لحاظ: معلم کے لیے دو مسائل بہت اہم ہیں، کیا پڑھایا جائے؟ اور کس طرح پڑھایا جائے؟ پہلے مسئلے کی بنا پر استاد کے لیے لازم ہے کہ مواد تعلیم پر غور وغوض کرے اور اسے کچھ اس قسم کی ترتیب دے کہ ایک چیز دوسری سے نکلتی چلی جائے اور مواد تعلیم کی تمام چھوٹی چھوٹی کڑیوں میں باقاعدہ تسلسل اور ربط ہو۔ دوسرے مسئلے کی بنا پر استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا طریقہ یا طرز استعمال کرے جس سے طالب علم کے ذہن پر بوجھ نہ ہو۔ اس کا ذہن تعلیم کی نئی نئی چیزوں کو دلچسپی کے ساتھ قبول کرے اور ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھ سکے۔ پہلی صورت میں معلم کو اپنے مواد تعلیم کا تجزیہ کر کے اس کے مختلف اجزا کو ایسا ربط دینا پڑتا ہے کہ ہر مقدم چیز بعد میں آنے والی معلومات کے لیے بنیاد اور سبب کا کام دے، یہ ترتیب منطقی کہلاتی ہے۔ دوسری صورت میں استاد کو دیکھنا پڑتا ہے کہ طالب علم کو تعلیمی مواد کی طرف کس طرح راغب کیا جاسکتا ہے اور مواد تعلیم کو اس کے لیے کیسے موثر بنایا جاسکتا ہے؟ اس مقصد کے لیے معلم کو طالب علم کی طبیعت کا نفسیاتی مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کی جبلّتوں، خواہشوں ورجحانات کو سمجھنا اوران کے مطابق طرز عمل اختیار کرنا پڑتا ہے۔

3.8 تدریس کے طریقۂ کار

چوں کہ تعلیم کے مختلف سطحوں پر طلبا کی ذہنی صلاحیت، دلچسپیاں اور رجحانات وغیرہ الگ الگ ہوتے ہیں اس لیے تدریسی فعل انجام دینے کے لیے ایک معلم مختلف طریقہ کار استعمال کرتا ہے۔ ابتدائی جماعت سے لے کر اعلیٰ جماعت تک تدریس کے لیے جو مختلف طریقۂ کار استعمال کیے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

3.8.1 کھیل کھیل کا طریقہ؛

مادری زبان کی تدریس میں کھیل کھیل کا طریقہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔ چوں کہ کھیل بچوں کی فطرت میں شامل رہتا ہے اوراس سے وہ اپنی خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔ بچوں کے کھیل زیادہ تر خیالی ہوتے ہیں۔ وہ کبھی مکان بناتا ہے۔ کبھی ریل گاڑی بناتا ہے۔ کبھی بڑے آدمیوں کی نقل کرتا ہے۔ ابتدا میں بچوں کے کھیل انفرادی ہوتے ہیں جو بعد میں معاشرتی نوعیت اختیار کر لیتے ہیں کیوں کہ اس وقت بچہ دوسرے بچوں کے ساتھ مل جل کر کھیلنا پسند کرنے لگتا ہے۔

بچوں کی ان فطری خواہشات اور کھیل کی خواہش کو اگر تعلیم کی بنیاد بنالیا جائے تو بچے تعلیم میں بھی اتنی ہی دلچسپی لینے لگیں گے جتنے کہ وہ کھیل کوداور دوسری خواہشات پورا کرنے میں لیتے ہیں۔ اس اصول کے پیشِ نظر بہت سے ماہرِ تعلیم نے بچوں کی دلچسپیوں اور کھیل کود کے قدرتی شوق کو تعلیم کا ذریعہ بنایا ہے۔ مادری زبان کو پڑھانے کے سلسلے میں کھیل کے طریقہ کو کئی صورتوں سے کام میں لا سکتے ہیں۔ مثلاً الفاظ کے کھیل، جملوں کے کھیل، کہانیاں، تصویر بنانا، ڈراموں میں حصّہ لینا، لباس کی تیاری وغیرہ۔ اس طرح جو چیز بچہ کو پڑھائی جائے گی وہ اس میں اتنی ہی دلچسپی لے گا جتنی کھیل میں لیتا ہے۔

اس طریقۂ تدریس میں بچہ کو ایک خاموشی سے سننے والے کے بجائے تعلیمی عمل میں حصہ دار بنادیا جاتا ہے وہ اپنے ہاتھوں سے کام کرتا ہے۔ چیزیں بناتا ہے۔ اس دوران اس کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اوران سب باتوں کو جو اسکولوں میں سکھائی جاتی ہے بہتر طریقے سے سیکھ لیتا ہے۔ اس کے علاوہ کھیل کا بچے کی معاشرتی نشوونما پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ کیوں کہ کھیل میں بچوں کو دوسروں کے ساتھ رہنے اور تعاون کرنے کا موقع ملتا ہے اوراس کے ذریعے بچہ کی تخلیقی قوتیں پروان چڑھتی ہیں۔ جسمانی اور دماغی نشوونما ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ قوّت تخّیل کی نشوونما بھی ہوتی ہے۔

3.8.2 کہانی کا طریقہ؛

یہ طریقہ کمرۂ جماعت میں مختلف مضامین کو پڑھانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ معلم اسباق کو دلچسپ اور بہتر طریقے سے پیش کرنے کے لیے کہانی کے طریقہ کار کو استعمال کرتا ہے اور مختلف واقعات شامل ہوتے ہیں۔ اس طریقۂ تدریس میں طلبہ کے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے سبق کو دلچسپ بنادیا جاتا ہے جس سے بچے بڑے شوق سے تدریس میں حصّہ لیتے ہیں۔ سبق کی کامیابی کا دارومدار معلم کی لیاقت پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کہانی کو کس طرح پیش کررہا ہے۔ چھوٹی جماعتوں کے بچوں کے لیے یہ طریقہ بہت مفید سمجھا جاتا ہے کیوں کہ بچوں کو کہانیوں سے بہت شوق ہوتا ہے۔ اس طریقہ تدریس کا تعلق بچوں کی نفسیات سے ہے۔ اس کے ذریعہ خشک مضمون کی تدریس میں بھی دلچسپی پیدا کی جا سکتی ہے۔ معلم کو قصّہ سنانے میں مہارت ہو، اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے کہانی میں دلچسپی پیدا ہو، بچوں کی استعداد اور عمر کے لحاظ سے کہانی کا انتخاب ہونا چاہیے۔ معلم خود کہانی سنانے کے بعد طلبہ سے بھی اس کہانی کو سنے۔ طلبہ کو کہانی لکھنے اور سنانے کا موقع دینا ضروری ہے تاکہ ان میں خیالات کو پیش کرنے کی قدرت پیدا ہواوران کے تخیل کی پرورش ہو۔

3.8.3 سوال وجواب کا طریقہ؛

تعلیم کا بنیادی مقصد فرد کی ذہنی نشو ونما کرنا ہے۔اور ذہنی نشو ونما کا موثر وسیلہ سوالات ہیں۔بہت کم استاد سوالات کی اہمیت کو پوری طرح سراہ پاتے ہیں۔سیکھنے کے کسی بھی موزوں تصور کے لیے یہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔سوال بچے کی ذہنی زندگی کے لیے پہلا محرک ہوتا ہے۔اسی کے ذریعہ سقراط نے اہل یونان میں غور وفکر اور استدلالی قوتوں کو فروغ دیا۔سقراط نے سولات کے ذریعہ ہی تعلیمی وعلمی سرگرمیاں انجام دیں اس کے اس طریقے کو اسی کے نام سے (سقراطی طریقہ) یاد کیا جانے لگا۔طلبہ میں اس کے ذریعہ مزید معلومات کی خواہش پیدا کی جاسکتی ہے۔استاد اور طالب علموں کا تعلق اور اشتراک کے لیے سولات ہی واحد اہم اور بنیادی ذریعہ ہیں اور یہ تعلق طلبہ کی تعلیمی الجھنوں کو حل کرنے میں معاونت کرتا ہے۔یہ تدریس کی جدید تکنیک میں نہایت موثر طریقہ ہے۔طلبہ کی سابقہ معلومات کو معلوم کرنے کا یہی واحد ذریعہ ہے۔سوالات ہی کے ذریعہ طلبہ کی خواہش کا علم ہوتا ہے۔سوالات کے ذریعہ ہی طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں کا پوری طرح تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔سوالات کی دوسری سب سے بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ طلبہ کو فعال (Active) بنایا جاسکتا ہے۔معلّم سوالات کے ذریعہ اپنی تدریس کی کامیابی کا اندازہ لگا سکتا ہے۔استاد کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا پڑھایا ہوا سبق کہاں تک طلبہ کے ذہن نشیں ہوا۔سوالات کے ذریعہ طلبہ کی تخلیقی اور تنقیدی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں ان میں نئے خیالات اور افکار جنم پاتے ہیں۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بچوں کو کلاس روم میں مصروف رکھا جاسکتا ہے۔سوالات مسائل کو حل کرنے کا وسیلہ ہے اور یہ طلبہ میں ایک حقیقی اور جوشیلا ردّعمل پیدا کرتے ہیں۔

3.8.4 لکچر یا تقریری طریقہ؛

تعلیمی اداروں میں سب سے زیادہ استعمال کیا جانے والا تدریسی طریقہ لکچر یا تقریری طریقہ ہے۔اور یہ طریقہ تقریباً تمام مضامین کی تدریس میں مقبول ہے۔اس کے ذریعہ استاد کسی خاص موضوع یا مسئلہ پر ایک منظّم اور ترتیب شدہ نفس مضمون کا زبانی اظہار کرتا ہے اور طلبہ خاموشی کے ساتھ معلم کی بات کو سماعت کرتے ہیں۔اس لیے لکچر ہی ایسا تدریسی طریقہ ہے جس کے ذریعہ بیک وقت پوری جماعت کو پڑھایا جاسکتا ہے۔یہ بات صحیح ہے کہ اس میں یک طرفہ حرکت ہے۔یعنی کہ معلم فعال رہتا ہے اور طلبہ خاموش رہتے ہیں لیکن معلم نفس مضمون کو نہایت ترتیب اور منطقی انداز میں پیش کرتا ہے تاکہ طلبہ آسانی سے سمجھ لیں۔اگر معلم کسی موضوع پر معلومات فراہم کرنا چاہتا ہے تو یہ طریقہ معقول اور مناسب ہے۔یہ طریقہ تدریس اعلیٰ جماعت کے طلبہ کے لیے کافی موزوں ومناسب ہے کیوں کہ اس سطح پر طلبہ کی ذہنی صلاحیت کافی پختہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے طلبہ سنی ہوئی باتوں کو آسانی کے ساتھ یاد رکھ سکتے ہیں۔

اس طریقے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ لکچر کو پہلے سے تیار کر لینا چاہیے۔لکچر میں وحدت ہونی ضروری ہے۔نفس مضمون سے ہٹنا نہیں چاہیے۔معلم خود نوٹ نہ لکھوائے بلکہ طلبا خود اپنی ضرورت کے پیش نظر اہم نکات نوٹ کرتے رہیں۔لکچر کو امدادی اشیا سے موثر بنانا چاہیے اور اس کے اشارات تختۂ سیاہ پر تحریر کیے جائیں۔معلم کو نفس مضمون پر عبور ہو اور خود اعتمادی کے ساتھ اپنے خیالات کو پیش کرے۔لکچر کے بعد طلبہ کے سوالات کا جواب دینا چاہیے اور منفی رویہ سے پرہیز کیا جائے تو اس طریقہ کو تدریس میں ایک اہم مقام دلایا جاسکتا ہے۔

3.8.5 اداکاری یا ڈرامائی طریقہ؛

درس وتدریس میں اداکاری یا ڈرامائی طریقہ کی کافی اہمیت ہے۔اس طریقہ سے طالب علموں میں اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کو بیان کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ڈرامے میں جسمانی حرکات اوراظہار جذبات کی کافی اہمیت ہے۔اداکاری میں مکالمہ ایک اہم جز ہے۔جس طرح ایک اداکار اسٹیج پر اپنی اداکاری سے ناظرین کومسحور کرلیتا ہے اسی طرح معلم کو بھی چاہیے کہ کسی خاص مضمون کو پڑھاتے ہوئے اداکاری کو اہمیت دے۔عمل کے ذریعہ اظہار خیالات اور مختلف جذبات کو بیان کرنے کے لیے ڈرامہ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ڈرامائی انداز پیدا کر کے سبق کو انتہائی دلچسپ اور تفریحی بنایا جاسکتا ہے۔اگر معلم اپنے سبق کوموثر ڈھنگ سے پڑھانا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ جو باتیں صرف زبان سے ادا کرنی ہیں تو انہیں جسمانی حرکات وسکنات کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔

بچے نقل پسند ہوتے ہیں اس لیے وہ اساتذہ کی نقل کرتے ہیں جس سے ان کے فطری میلانات کوتحریک ملتی ہے۔اس میں مکالمہ کو اہمیت ہے جو مکالمہ کردار بولتے ہیں وہ ان کے علم میں اضافہ کرتے ہیں اس سے طلبہ جذبات کو ٹھیک طرح سے سمجھ لیتے ہیں۔مختلف کرداروں کی خصوصیات سے انہیں واقفیت ہوجاتی ہے۔معلم اس طریقہ کو نظم پڑھانے میں استعمال کرسکتا ہے یا پھر طلبہ کو مختلف کردار دے کر پیش کرسکتا ہے۔ وہ اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور طلبہ کی حسی قوتیں تیز ہوجاتی ہیں۔تخلیقی صلاحیت پروان چڑھتی ہے۔طلبہ کی شخصیت موثر اور پرکشش بنتی ہے۔طلبہ کو اپنی رائے کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔

3.8.6 بحث ومباحثہ کا طریقہ؛

جدید تعلیم کی ایک تکنیک یہ بھی ہے کہ تعلیم کو جمہوری بنایا جائے اور بچوں کی صلاحیتوں کی آزادانہ نشو ونما ہو۔اس مقصد کے حصول کے لیے بحث ومباحثہ طریقۂ تدریس کو کافی اہم سمجھا جاتا ہے۔اس سے مراد کسی موضوع پر مدلّل گفتگو ہے۔اس طریقہ کار میں بچے کو ایک موضوع دے دیا جاتا ہے اور وہاں پر وہ تائیدی یا تردیدی خیالات کا اظہار اپنے دلائل کے ساتھ کرتا ہے۔اس سے بچے کے غور وفکر کی قوت اور استدلالی قوتوں کو فروغ ملتا ہے۔

اس طریقہ تدریس سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ طلبہ تدریس میں سرگرم حصہ دار بن جاتے ہیں اس طرح طلبہ پر آموزش اور تدریس کے پائیدار اثرات مرتّب ہوتے ہیں۔اس میں ان کا علم خود کا حاصل کردہ علم ہوتا ہے اور اس قسم کا علم ہمیشہ پائیدار ہوتا ہے۔اور پوری طرح ذہن نشین ہوجاتا ہے۔اس سے دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ میں تنقیدی شعور پیدا ہوتا ہے۔نئے خیالات کی پرورش ہوتی ہے۔اس سے طلبہ میں استدلالی قوتوں کا فروغ ہوتا ہے۔اور طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے اور قوت تقریر بھی پروان چڑھتی ہے۔ان میں جھجک نکل جاتی ہے اور وہ روانی اور آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔معلم کو چاہیے کہ طلبا میں اصولی بحث کرنے،صحیح جواب دینے اور سوالات دریافت کرنے کا شوق پیدا کرے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ سے ایسے مسائل کے جوابات طلب کیے جائیں جو عام سطح سے بلند اور الگ ہوں۔اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ طریقہ طلبہ کے اندر استدلالی قوتوں کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

3.8.7 تجربہ اور مشاہدہ کا طریقہ؛

تجربہ یا مشاہدہ زندگی کا ایک اہم جز ہے۔ ہر انسان اپنی زندگی میں تجربات اور مشاہدات سے کچھ نہ کچھ سیکھتا ہے۔ اس طریقہ میں طلبہ خود تجربہ کرتے ہیں ۔کبھی کبھی استاد تجربہ کر کے دکھاتا ہے اور طلبہ مشاہدہ کرتے ہیں اس کے بعد نتائج اخذ کرتے ہیں ۔ مثلاً سائنس کی تدریس میں تجربہ کا کافی عمل دخل ہے۔ اس طریقہ تدریس کو سماجی علوم کی تدریس میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور اب تو زبان سکھانے کے تجربہ گاہ (Language Lab) بھی کافی استعمال ہونے ہونے لگے ہیں جس سے طلبہ زبان سیکھتے ہیں۔

اس طریقے پر مبنی تعلیم اس اصول پر مبنی ہے کہ سیکھنے والے کو سیکھنے کے عمل میں حصّہ لینا چاہیے۔ یہ طریقہ بچوں کے مقاصد، دلچسپیوں اور ضرورتوں پر زیادہ زور دیتا ہے۔ نصابی کتابوں اور نصابی مضامین کی کوئی پابندی نہیں ہوتی اس لیے یہ بچوں کے لیے زیادہ دلچسپ اور موزوں طریقہ ہے۔ اس طریقہ تعلیم میں مل جل کر کام کرنا، سماجی زندگی کے مسائل سے واقفیت حاصل کرنا اور خود ان کا تجربہ کرنا اور مسائل کے حل کی کوشش کرنا ہے۔ اس طرح جو چیزیں طلبہ کے ذاتی تجربہ میں آئیں گی وہ اس کے علم کی یادداشت کا حصہ بن جائیں گی۔ وہ تمام چیزیں آسانی سے ذہن نشیں ہو جاتی ہیں اور طلبہ کو حقائق کا گہرا فہم ہو جاتا ہے۔

اس طریقۂ تدریس میں کمرۂ جماعت کو ضروری ساز و سامان سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ جس میں نقشے، ماڈل، تصاویر، ٹی وی، ریڈیو اور دوسری چیزیں رکھی جاتی ہیں اور طلبہ اسے اپنی تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں ۔ جملہ تجربہ گاہ کی سہولتوں سے کام لیکر کسی مسئلے کا حل معلوم کرتے ہیں یا کسی منصوبہ کو مکمل کرتے ہیں۔ اس طریقہ میں استاد ایک رہنما کا کام کرتا ہے۔

3.8.8 منصوبائی طریقہ؛

اس طریقہ تدریس کا بانی امریکی ماہر تعلیم جان ڈیوی ہے۔ وہ کہتا ہے جو تعلیم زندگی سے تعلق توڑے وہ نہ صرف کامیاب انسان پیدا کرنے میں ناکام رہتی ہے بلکہ طلبہ کے لیے پھیکی اور بدمزہ بن کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ خشک کتابیں رٹوانے کے بجائے تعلیم کو زندہ مسائل سے ہم آہنگ کر کے اس کے طریقہ کار کو بہتر بنانا چاہیے۔ اس نے اس کی تعریف اس طرح بیان کی ہے'' منصوبہ ایک بامعنی عملی سرگرمی کا نام ہے جو کسی مسئلے کی پیداوار ہو، اور طلبہ کے ہاتھوں قدرتی ماحول میں انجام پائے اور اس کی تکمیل کے لیے ساز و سامان کی ضرورت لاحق ہو'' اگر ہم اس تعریف پر غور کریں تو درج ذیل نکات نظر آتے ہیں:

الف۔ ہر منصوبہ کسی حقیقی مسئلے کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طلبہ کو پہلے کسی ضرورت یا دشواری کا احساس ہو پھر وہ اس دشواری پر قابو پانے کی عملی تدابیر سوچیں اور اس کے عملی منصوبہ بنائیں۔

ب۔ منصوبہ ایسا ہو جو لگاتار مطالعہ اور مسلسل سرگرمی کا مطالبہ کرے۔

ج۔ مسئلے کا عملی حل تلاش کرنے کے لیے جو سرگرمیاں نظر آئیں طلبہ انہیں خود انجام دیں۔

د۔ مسئلے کا حل نظری کے بجائے عملی قسم کا ہو۔

منصوبے دو طرح کے ہوتے ہیں:

(1) انفرادی

(2) گروہی۔

انفرادی منصوبہ وہ ہے جس میں ایک طالب علم منصوبہ مکمل کرے۔ اگر اسی منصوبے میں بہت سے طلبہ ملکر کسی کام کو کرتے ہیں اس میں کام کی تقسیم کردی جاتی ہے۔ مثلاً ایک منصوبہ ہے ''شعرا کا تذکرہ'' اس میں ایک گروہ ایک شاعر کے بارے میں معلومات فراہم کرے۔ دوسرا گروہ دوسرے شاعر کے بارے میں معلومات جمع کرے۔

منصوبائی طریقہ کے مختلف مدارج ہوتے ہیں جو اس طرح ہیں:

(1) مقصد کا تعین

(2) پلاننگ

(3) معلومات کی فراہمی

(4) نتائج اخذ کرنا۔ اس طریقے میں تخلیقی کام کے ذریعہ بچے کو اظہار خودی کا موقع کا ملتا ہے اور وہ مل جل کر کام کرنا سیکھتا ہے۔

3.8.9 گروہی تدریس؛

دور جدید میں یہ تصور عام ہے کہ بعض اوقات محض ایک استاد تدریس کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کئی استاد مل کر خاص طور پر تدریسی وحدت میں ٹیم کے انداز میں پڑھاتے ہیں۔ چنانچہ اس طریقہ تدریس کو ''ٹیم ٹیچنگ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے دو طریقے ہیں۔

(1) مختلف مضامین کے اساتذہ مل کر پڑھائیں۔

(2) ایک مضمون کے اساتذہ مل کر ایک سبق تیار کریں۔

تدریس اردو میں دونوں طریقے مفید ہیں۔ مثلاً۔ پہلے طریقے میں اشارات سبق تیار کرتے ہوئے ایک استاد کو تدریسی سامان کی تیاری کے لیے آرٹ کے استاد کی مدد درکار ہوتی ہے۔ دوسرے طریقے میں ایک استاد نثر یا نظم کی عمدہ تدریس کرسکتا ہے تو دوسرا اس کے معنی، قواعد، انشا یا اصلاح و تصحیح کا کام بہتر انجام دے سکتا ہے۔ اس طرح ہر استاد اپنی اہلیت کے مطابق سبق کا خاص حصّہ پڑھاتا ہے اور نصاب بھی وقت پر ختم ہوجاتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی وقت میں کئی اساتذہ مل کر تدریسی فعل انجام دیتے ہیں اور طلبہ کو مختلف گروہ میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔ اس طریقۂ تدریس میں اساتذہ کی خصوصی صلاحیت سے طلبہ کو فائدہ پہنچتا ہے۔ طلبہ پر انفرادی توجہ دی جاسکتی ہے۔ طلبہ ایسے طریقۂ تدریس میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔

3.8.10 استقرائی طریقہ؛

تدریس کا وہ طریقہ جس کی بدولت طلبہ متعدد واقعات، حقائق یا مثالوں کا تجزیہ کرکے براہ راست کسی نتیجے پر پہنچتے اور کوئی اصول، ضابطہ یا کلیہ اخذ کرتے ہیں، استقرائی طریقہ کہلاتا ہے۔ اس طریقے میں معلم ایک خاص ترتیب سے طلبہ کو مخصوص واقعات اور مثالوں کے تجربے، مشاہدے، مطالعہ کا موقع فراہم کرتا ہے۔ معلم کی رہنمائی میں طلبہ ان مثالوں کا تجزیہ اور باہم مقابلہ و موازنہ کرتے ہیں؛ ان کے درمیان مماثلت یا فرق تلاش کرتے ہیں اور اس طرح کسی حقیقت تک پہنچتے یا کوئی عام اصول، کلیہ یا قاعدہ اخذ کرتے ہیں۔ مثلاً۔ طلبہ 3 کو 5 بار جوڑتے ہیں

(3+3+3+3+3=15)اور تین کا پانچ تک پہاڑہ (3 x 5 = 15) پڑھتے ہیں تو دونوں صورتوں میں پندرہ جواب آتا ہے۔ یہی عمل کئی اعداد پر کرتے ہیں۔اس طرح کی متعدد مثالوں سے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ''جوڑ کا آسان طریقہ ضرب ہے'' اسی طرح دھات کا ایک گولہ لیتے ہیں جو ایک حلقے یا سوراخ سے بآسانی گزر جاتا ہے، اسے گرم کرتے ہیں، اب وہ نہیں گزرتا۔ یہی عمل مختلف دھاتوں کے گولوں پر کرتے ہیں۔ ہر بار حاصل ایک ہی ہوتا ہے۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ''چیزیں گرمی پا کر پھیلتی ہیں''۔لیکن جب وہ گولے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں تو پھر حلقے سے بآسانی گزر جاتے ہیں اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ''چیزیں ٹھنڈی ہو کر سکڑتی ہیں۔''

استقرائی طریقہ کے مراحل: استقرائی طریقے سے تعلیم دیتے وقت چند مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ مراحل مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) مثال: سب سے پہلے طلبہ کے سامنے کئی طرح کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(ب) معائنہ: اس کے بعد طلبہ حقائق کی تحقیق وجستجو کرتے ہیں۔طلبہ کے ذریعہ مثالوں کا مقابلہ وموازنہ کیا جاتا ہے پھر ان میں مماثلت تلاش کی جاتی ہے۔طلبہ تحقیق کے بعد ہی کسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔

(ج) ضابطہ یا کلیہ: طلبہ کے ذریعہ مثالوں کے موازنہ ومماثلت کی بنیاد پر کسی اصول، ضابطے یا کلیہ کو اخذ کرتے ہیں۔

(د) جانچ: سب سے آخر میں طلبہ دوسری مثالوں کا بھی مطالعہ کرتے ہیں اور خود کے نکالے ہوئے ضابطے کی جانچ کرتے ہیں۔

استقرائی طریقے میں تدریس کے تین اصولوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(1) خاص سے عام کی طرف

(2) معلوم سے نامعلوم کی طرف

(3) کل سے جز کی طرف

یہ طریقہ تدریس علم کے حصول کا معقول اور منطقی طریقہ ہے۔ مدرّس مخصوص مثالیں یا واقعات خاص ترتیب سے فراہم کر دیتا ہے۔ طلبہ ان کا تجزیہ کر کے نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں۔اس طرح طلبہ سبق میں عملی دلچسپی لیتے اور ہمہ تن متوجہ ومصروف رہتے ہیں۔اس طریقہ میں طلبہ کو غور وفکر، استدلال اور فیصلہ کرنے کا پورا موقع ملتا ہے۔طلبہ کو خود کر کے سیکھنے کے تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں، علم کی پختگی، علم کو عمل میں لانے کا سلیقہ، مسائل سے خود نمٹنے کی صلاحیت، جبلی تقاضوں اور فطری خواہشات کی تسکین وغیرہ ملتی ہے۔ بنی نوع انسان نے تمام معلومات اسی طرح حاصل کی ہیں۔خود مشاہدہ وتجربہ کیا ہے۔اس لیے معلومات کے حصول کا یہی فطری ونفسیاتی طریقہ ہے۔

3.8.11 استخراجی طریقہ:

یہ طریقہ استقرائی کی ضد ہے۔اس میں معلم خود ہی طلبہ کو کوئی عام اصول، ضابطہ یا کلیہ بتادیتا ہے۔ پھر مخصوص مثالوں سے اس کی وضاحت کر دیتا ہے۔طلبہ معلم کے اعتماد پر اسے تسلیم کر لیتے ہیں مزید تصدیق کے لیے بعد میں وہ کچھ اور مثالوں پر اس کلیہ کو منطبق کرنے کا موقع دیتا ہے۔ مثلاً۔قواعد میں استاد نے اسم، ضمیر، فعل، حرف یا صفت کی تعریف بتادی، مثالوں سے واضح کر دیا۔طلبہ نے استاد کے علم پر بھروسہ کر کے انہیں مان لیا۔ایک پیراگراف دے کر طلبہ سے کہا گیا کہ وہ اس میں سے اسم، فعل، حرف وغیرہ کی نشاندہی کرے۔ اگر طلبہ ٹھیک نشاندہی کر دیتے ہیں تو سبق کامیاب ہے۔اسی طرح ریاضی میں کوئی طریقہ یا قاعدہ بتا کر مثالوں سے واضح کر دیا گیا۔اب طلبہ اسی قاعدے کو استعمال

کر کے مزید سوالات حل کرتے ہیں تو سبق کامیاب شمار کیا جاتا ہے۔اس طریقہ تدریس میں معلم اپنے علم وتجربات کی جو بڑی محنت سے اور بہت کچھ کھو کر حاصل کرتے ہیں قلیل مدت میں بچوں کو منتقل کردیتے ہیں۔ چنانچہ بچوں کا وقت ان چیزوں کو خود کر کے سیکھنے پر ضائع نہیں ہوتا جن پر بڑے اپنا بہت ساوقت،قوت وپیسہ خرچ کر چکے ہیں۔ مذکورہ طریقہ تدریس میں معلم کا کام بہت آسان ہوجاتا ہے۔ وہ ایک قاعدہ یا اصول بتادیتا ہے،طلبہ اسے یاد کر کے اس کی مدد سے متعدد مسائل حل کرتے ہیں۔

استخراجی طریقہ کے مراحل: استخراجی طریقہ کا استعمال کرنے میں درج ذیل مرحلوں کا استعمال ہوتا ہے۔:

(الف) اصول اور تعریف : اس مرحلے میں طلبہ کے سامنے کوئی اصول یا تعریف پیش کی جاتی ہے۔

(ب) استعمال یا مثال : تعریف اور اصول کو ثابت کرنے کے لیے مثال پیش کی جاتی ہے۔

(ج) نتیجہ : استعمال اور مثال کے ذریعہ کسی نتیجہ پر پہنچا جاتا ہے۔

(د) جانچ : طلبہ کے ذریعہ استعمال اور مثال کی مدد سے نتیجہ کی جانچ کی جاتی ہے۔

استخراجی طریقہ تدریس میں دو تدریسی اصولوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(1) عام سے خاص کی طرف

(2) جز سے کل کی طرف

3.9 یاد رکھنے کے نکات

☆ تدریس ایک معاشرتی اور جمہوری عمل ہے جس میں طلبا کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔تدریس کی مدد سے معلم،طلبا اور مضامین میں ربط قائم کرتا ہے۔

☆ تدریس ایک امدادی شئے ہے جو بچے کو موثر انداز میں ماحول کے مطابق ردعمل کے لیے تیار کرتی ہے۔تدریس طلبا کی عادتیں،شعور اور دلچسپیوں کو فروغ دیتی ہے تاکہ وہ زندگی میں مطابقت پیدا کرنے کے لائق ہو جائیں۔

☆ ایک معیاری/اچھی تدریس کی خصوصیات۔طلبا کو مطلوبہ معلومات دینا،رہنمائی کرنا،منتخب باتوں کا علم دینا، ہمدردی کرنا،تعاون کرنا، جمہوری اور ترقی پذیر بنانا ہے۔

☆ تدریس کے اہم اصول۔آمادگی،انتخاب، زندگی سے مربوط،خود کر کے سیکھنا،تقسیم اور اعادہ کے اصول ہیں۔

☆ تدریس کے اقدامی اصول سبق کو دلچسپ، واضح اور کامیاب بناتے ہیں۔ان میں معلوم سے نامعلوم کی طرف،آسان سے مشکل کی طرف،ٹھوس سے مجرد کی طرف، غیر معین سے معین کی طرف، غیر واضح سے واضح کی طرف، خاص سے عام کی طرف، منطقی ترتیب اور نفسیاتی ترتیب کا لحاظ اہم ہیں۔

☆ ابتدائی جماعت سے لے کر اعلیٰ جماعت تک کی تدریس میں مختلف طریقۂ کار استعمال کیے جاتے ہیں۔جن میں کھیل کھیل کا طریقہ، کہانی کا طریقہ، سوال وجواب کا طریقہ، لکچر کا طریقہ، اداکاری کا طریقہ، بحث ومباحثہ کا طریقہ،منصوبائی طریقہ،استقرائی و استخراجی طریقہ اہم ہیں۔

3.10 فرہنگ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
معلم	تعلیم دینے والا	منعکس	عکس پڑنا
تفکرات	سوچ بچار، فکر کیا گیا	اختراعی	ایسی چیز ایجاد کرنے کا عمل جو پہلے سے خیال میں نہ ہو
پیچیدہ	مشکل، الجھا ہوا	عبور	پار کرنا، گزرنا، قبضہ، فتح حاصل کرنا
منحصر	احاطہ کیا گیا، گھرا ہوا، حصار	طفل	چھوٹا، بچہ
حصول	حاصل کرنا	انکشاف	کھول کر بیان کرنا، ظاہر کرنا
اعادہ	تکرار، دوہرانا، دوبارہ کہنا	تعین	مخصوص کرنا، معین کرنا، محدود کرنا
بتدریج	رفتہ رفتہ، درجہ درجہ، دھیرے دھیرے	معیار	پیمانہ، ناپ، نصاب
تصاویر	تصویر کی جمع	ناقص	نامکمل، ادھورا، جس میں کچھ کمی رہ جائے
اسباق	سبق کی جمع	استعداد	فطری قابلیت، صلاحیت، لیاقت
استدلالی	دلیل کے ساتھ پیش کیا گیا	آموزش	تعلیم، سیکھنا، سکھانا
دریافت	حاصل کرنا، شناخت، حصول	پائیدار	مستحکم، مضبوط، جو اٹل ہو
فہم	سمجھ، عقل، تفہیم	منصوبہ	جس کام کا ارادہ کیا گیا ہو، مقصد، منشا، تدبیر
جستجو	تلاش، کسی چیز کو ڈھونڈنے کا عمل	مصروف	کام میں لگا ہوا، مشغول، دھیان لگایا گیا
سلیقہ	قرینہ، کوش اسلوبی، سجا سجایا، صلاحیت	منطبق	برابر، یکساں، باہمی رکھنے والا

3.11 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں

معروضی جوابات کے حامل سوالات؛

(1) سمپسن کے مطابق تدریس کا مفہوم______________________

(2) استغرائی طریقہ______________________

(3) اعادہ کا اصول______________________

(4) استخراجی طریقہ______________________

مختصر جوابات کے حامل سوالات؛

(1) تدریس کے مفہوم کو مختلف تعریفوں کی مدد سے واضح کیجیے۔

(2) تدریس کی اہمیت وافادیت اجاگر کیجیے۔

(3) ثانوی سطح کے طلبا کو پڑھاتے وقت آپ کون سا تدریسی طریقہ اختیار کریں گے۔اور کیوں؟

(4) لکچر طریقۂ کار کی خوبیوں اور خامیوں کا احاطہ کیجیے۔

(5) استقرائی اور استخراجی طریقۂ کار کے درمیان فرق کو واضح کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات؛

(1) ایک معیاری تدریس کی خصوصیات بیان کیجیے۔

(2) تدریس کے مختلف اصولوں کو قلم بند کیجیے۔

(3) تدریس کے مختلف طریقۂ کار کو مختصراً بیان کیجیے۔

3.11 تجویز کردہ مواد

معین الدین	:	اردو زبان کی تدریس
سلیم عبداللہ	:	اردو کیسے پڑھائیں
سید جلیل الدین	:	طریقۂ تدریس اردو
ڈاکٹر سلامت اللہ	:	ہم کیسے پڑھائیں
احمد حسین	:	تدریس اردو
نجم السحر وصابرہ سعید	:	تدریس اردو

اکائی 4۔ اردو زبان کی بنیادی مہارتوں کی تدریس

اکائی کے اجزا؛

4.1 تمہید

4.2 مقاصد

4.3 زبان کی مہارتیں

4.4 سننا اور اس کی اہمیت

4.5 بولنا اور اس کی اہمیت

4.6 پڑھنا اور اس کی اہمیت

4.7 لکھنا اور اس کی اہمیت

4.8 پڑھنا اور لکھنا۔ پہلے کیا ہونا چاہیے۔

4.9 کمرۂ جماعت میں لسانی فروغ کی سرگرمیاں

4.10 یادر کھنے کے نکات

4.11 فرہنگ

4.12 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں

4.13 تجویز کردہ مواد

4.1 تمہید

سماج میں زبان کی مہارتوں پر خصوصی توجہ دینا ضروری ہے اس کے لیے مختلف مہارتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔طلبہ کی مکمل نشو ونما کے لیےان کی مہارتیں ضروری ہیں۔ بچے اپنی روزمرہ زندگی میں مختلف تجربات حاصل کرتے ہیں۔سننا، بولنا، پڑھنا،لکھنا جیسی چار مہارتیں زبان کی ترقی کے لیےضروری ہیں۔زبان کی مہارتیں طلبہ کومکمل تعلیم دینے میں ابتدائی سطح پر انتہائی ضروری ہیں چنانچہ اس کے متعلق تفصیل سے معلومات حاصل کریں گے۔

4.2 مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد طلبہ:

☆ زبان کی مہارتوں سے متعلق واقفیت حاصل کریں گے۔

☆ زبان کی مہارتوں کی اہمیت سے واقف ہوں گے۔

☆ زبان کی مہارتوں کوفروغ دینے کے لیے کمرۂ جماعت میں کیے جانے والے مشاغل سے متعلق واقف ہوں گے۔

☆ زبان کی مہارتوں کو بچوں میں فروغ دینے کے لیے معلم کے کردار سے واقف ہوں گے۔

4.3 زبان کی مہارتیں

زبان کی تدریس کے لیے بنیادی استعداد کا ہونا ضروری ہے ان بنیادی صلاحیتوں کی نشو ونما کے لیے چار مہارتوں کا ہونا ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:

(1) سننا

(2) بولنا

(3) پڑھنا

(4) لکھنا (تحریری مہارت)

4.4 سننااوراس کی اہمیت

سامنے والے کی گفتگو کو دلچسپی اور غور سے سننا بڑی اہم صلاحیت ہے۔زبان کو بہتر انداز میں استعمال نہ کرنے کی وجہ سامنے والے کی گفتگو کا صحیح نہ سننا ہے۔سامنے والا جب گفتگو کرے تو اُسے بغور سننا چاہیے۔صحیح انداز میں کس طرح سے گفتگو کی جانی چاہیےاس کا علم ہوتا ہے۔سننے کی صلاحیت بہتر نہ ہونے کی وجہ سے بہتر گفتگو نہیں کر پاتے۔بچوں کو صحیح گفتگو کرنے کے لیے انہیں سننے کی مشقیں فراہم کی جانی چاہئیں۔بغور سننا ہی صحیح گفتگو کے لیے اور صحیح گفتگو پڑھنے میں اور صحیح لکھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔اس تسلسل میں سننا پہلا قدم ہوتا ہے۔

سننے کی مہارتوں میں طلبہ سے ہم کیا امید کر سکتے ہیں:

☆ دوسروں کی گفتگو کے دوران بغور آوازوں کو شناخت کرنا۔

☆ آواز کے فرق اور ساخت کے مطابق خیالات کو ظاہر کرنا۔

☆ مختلف آوازوں کو نکالتے وقت ان کے پیدا ہونے کے طریقہ پر غور کرنا۔

☆ کسی بھی چیز کا بغور مشاہدہ کرنا۔

☆ سننے کی صلاحیتوں کو فروغ دینے کی تدابیر:

معلم طلبہ کو لطف اندوز کرنے والی نظموں اور گیتوں کو موثر انداز میں سنانے کی وجہ سے ان کے سننے کی صلاحیت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ بچوں کے لیے لطف اندوز کرنے والے دلچسپ مضامین ہوں تو وہ سننے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ معلم کی گفتگو موضوع کی تشریح طلبہ میں سننے کے شوق کو اجاگر کرتے ہیں۔

معلم طلبا میں بہترین کہانیوں کے ذریعہ انفرادی طور پر اپنے الفاظ میں طلبا سے انہیں کہانیوں کے اعادہ کرنے اور ان میں پائے جانے والے مشکل الفاظ کو دہرانا چاہیے۔ ٹیپ ریکارڈ، ٹی۔وی، ریڈیو سے موثر پروگراموں کو سنانا۔

معلم طلبا میں سننے کی عادتوں کو فروغ دینے کے لیے بہترین گیت، نظمیں ترنم کے ساتھ یاد کرانی چاہیے پھر ان سے اعادہ کے طور پر وہی نظمیں اور گیت سننے چاہیے۔

4.5 بولنا اور اس کی اہمیت

بولنے سے مراد گفتگو کرنا ہے۔ صحیح اور بہتر انداز میں اپنے خیالات کو دوسروں تک بات چیت کے انداز میں پہونچانا ہی بولنا کہلاتا ہے۔ سامنے والے کو سننے کے لیے بہتر انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا بھی ایک فن ہے۔

بولنے کو ادا کرنے کا طریقہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ گفتگو کرتے وقت خیالات کے بہتر اور واضح لحن اختیار کرنا چاہیے کسی لفظ کو کس طرح ادا کرنا چاہیے کس جملہ کو کس طرح ادا کرنا چاہیے اس کے فرق کی مناسبت سے گفتگو کرنے کو معیار کہتے ہیں۔ اظہار خیال کی تفہیم میں جسمانی اداکاری کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جسمانی اداکاری سے مراد منہ اور ہونٹوں کا ہلنا ہے۔ گفتگو میں ان دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بولنے کی مہارت میں طلبہ سے ہم کیا امید کر سکتے ہیں:

☆ بہتر انداز میں گفتگو کرنا۔

☆ غلطیوں کے بغیر گفتگو کرنا۔

☆ بلا خوف وخطر گفتگو کرنا۔

☆ روانی کے ساتھ گفتگو کرنا۔

☆ تفہیمی انداز میں گفتگو کرنا۔

☆ موقع کی مناسبت سے گفتگو کرنا۔

☆ حرکات وسکنات کے ساتھ گفتگو کرنا۔

☆ ضرورت کے لحاظ سے محاورے اور ضرب المثل کا استعمال کرتے ہوئے گفتگو کرنا۔

☆ شاعرانہ انداز میں گفتگو کرنا۔

☆ انفرادی اسلوب میں گفتگو کرنا۔

☆ بولنے کی غلطیاں۔تدارک کی تدابیر:

طلبہ میں بولنے کی صلاحیت کو فروغ دینا ہو تو ان کو کمرۂ جماعت میں آزادی کے ساتھ گفتگو کرنے کا ماحول مہیا کرنا چاہیے۔اس کے لیے مناسب پس منظر فراہم کرنا چاہیے۔نئے نئے الفاظ کو ان کے اپنے جملوں میں استعمال کروا کر گفتگو کرنے کی عادت ڈالنا چاہیے۔مثلاً:

1) کمرۂ جماعت میں بچے پڑھ رہے ہیں۔

2) کمرۂ جماعت میں بچے کھیل رہے ہیں۔

3) کمرۂ جماعت میں بچے سبق یاد کر رہے ہیں۔

مندرجہ بالا الفاظ کو استعمال کرتے ہوئے بچوں سے بات کروانا چاہیے اسی وقت وہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔

☆ بچوں سے موثر انداز میں گفتگو کرنا۔

☆ بچوں کے پسندیدہ اور دلچسپ چیزوں کے بارے میں گفتگو کروانا۔

☆ تصویری کہانیوں اور تصویروں کے ذریعہ گفتگو کرنا۔

☆ معلم بچوں میں گیت سنانا اور پھر انفرادی اور اجتماعی گروپ سے انہیں گیتوں کو سنانے کو کہنا۔

☆ اداکاری پر مشتمل گیتوں کا معلم کو بہتر اداکاری کے ذریعے خود گانا اور طلبہ کو گانے کے لیے کہنا۔مختلف قسم کی کہانیاں سنانا اور دوران کہانی متعلقہ تصاویر کا استعمال کرنا۔

☆ کسی ایک موضوع کے تحت بچوں سے لکھوانا۔جیسے موسم برسات، میرا پسندیدہ کھیل، ہمارا گاؤں وغیرہ۔

☆ کمرۂ جماعت میں تمام کے روبرو اپنے انداز میں موضوعات پر طلبہ سے تقریر کروانا۔

☆ بیت بازی منعقد کروانا۔

4.6 پڑھنا اور اس کی اہمیت

خصوصی معلومات کو حاصل کرنے کے لیے سننے اور بولنے کی صلاحیتیں کافی نہیں۔معلومات لامحدود ہوتی ہیں۔کتب بینی کے ذریعہ انسان معلومات کو حاصل کرتا ہے۔ایک فرد کو اچھی کتب بینی سے دلچسپی بہترین اقدار میں شامل کی گئی ہے۔جواہر لعل نہرو، سروے پلی رادھا کرشنن، بابائے اردو مولوی عبدالحق، ڈاکٹر زورؔ جیسے بڑے بڑے دانشور ہمیشہ ہی سے پڑھنے کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ان کے علاوہ مطالعہ سے دانشور بننے والے بے شمار ہیں۔بہتر کتب بینی انسان کے ذخیرۂ الفاظ اور معلومات کو وسیع کرتی ہے۔موجودہ دور میں علم کی ترقی میں صحافت کے ذریعہ حاصل ہونے والی جدیدیت کا انطباق انتہائی ضروری ہے۔اس حسین دنیا کو دیکھنے کے لیے آنکھ کی جتنی ضرورت ہوتی ہے اس دنیا کی

معلومات کے لیے مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے۔ پڑھنے کی مہارت میں طلبہ سے ہم کیا امید کر سکتے ہیں:

- ☆ بہتر انداز میں پڑھے
- ☆ غلطیوں کے بغیر پڑھے۔
- ☆ بلاخوف وخطر پڑھے
- ☆ روانی کے ساتھ پڑھے۔
- ☆ تفہیم کے ساتھ پڑھے
- ☆ خیالات کے تسلسل کے ساتھ پڑھے۔
- ☆ تغیرلحن کے ساتھ پڑھے
- ☆ موقع کی مناسبت سے پڑھے۔
- ☆ اصول وضوابط کے ساتھ پڑھے
- ☆ کام کی مناسبت سے پڑھے۔
- ☆ اداکاری سے پڑھے
- ☆ تشفی کے ساتھ پڑھے۔
- ☆ انفرادی اسلوب سے پڑھے

پڑھنے کی صلاحیت کو فروغ دینے کی تدابیر:

پڑھنے کی طریقے:

ذیل کے طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے مناسب طریقہ کو استعمال کر پڑھنے کی صلاحیت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

(1) حروف تہجی کا طریقہ/ ابجدی طریقہ:

یہ ایک روایتی طریقہ ہے۔ اس میں فلیش کارڈ کی مدد سے اس کو سکھایا جاتا ہے۔ کاغذ کے ٹکڑوں پر حروف کو اچھی طرح لکھ کر ایک ایک حرف کو بتاتے ہوئے معلم مخاطب ہوتا ہے۔ طلبہ اس حرف کو دیکھ کر بتلاتے ہیں۔ تمام حروف الگ الگ شناخت کروانے کے بعد دو حروف کو ملانے سے بننے والے الفاظ طلبہ جوڑ کر پڑھتے ہیں۔ جیسے: ا+ب=اب۔ ب+س=بس۔

(2) نئے حروف کا طریقہ:

حروف تہجی کے مطابق روزمرہ زندگی کے معاملات میں استعمال نہ کیے جانے والے حروف کو نکال کر باقی حروف ہی کو پہلے سکھانا، نئے حروف کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ حروف میں تقابل سے حروف کے گروپ بنا کر ایک ایک گروپ ایک یونٹ کے طور پر سکھایا جاتا ہے۔

(3) لفظی طریقہ:

دیکھو اور بولو کے طریقہ کو لفظی طریقہ کہتے ہیں اس میں فلیش کارڈ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک کارڈ پر طلبہ کو معلوم چیزوں کی تصویر کشی کے ذریعہ اس کے نیچے اس کا نام لکھنے کو کہا جاتا ہے، اس کو شناختی کارڈ کہتے ہیں۔ دوسرے کارڈ پر ایک جانب اس چیز کی تصویر، دوسری جانب اس کا نام لکھنا چاہیے۔ اس کو دورخی کارڈ کہتے ہیں اس کے بعد ایک کارڈ پر تصویر دوسرے کارڈ پر اس کا نام لکھنا چاہیے۔ ان دونوں جوڑ کو جوڑ والے کارڈ کہتے ہیں۔ اس طریقہ سے تمام الفاظ کے لیے فلیش کارڈ تیار کر لینا چاہیے۔ شناختی کارڈ کو ایک ایک بچوں کو دکھانا چاہیے۔ اس پر موجود تصویر بچوں کو معلوم ہونے کی وجہ سے اس کو وہ آسانی سے شناخت کرتے ہیں۔ معلوم سے نامعلوم کے اصول کا یہاں اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح تصاویر کی مدد سے بچوں کے ذریعہ الفاظ کو پڑھنا چاہیے۔ اس طرح پڑھنے کے ذریعہ ان حروف کی شکل ان کے ذہن میں نقش ہو جاتی ہے۔

ان حروف کو بار بار دکھا کر انہیں پڑھنے کی مشق کرانے سے تمام طلبہ تصویر کی مدد سے بغیر ان الفاظ کے حروف کو شناخت کرنے کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد جوڑ والے کارڈ کو ان کے سامنے ان الفاظ کے تحت ان کی تصاویر دکھانا چاہیے۔ معلم کی ہدایت کے مطابق طلبہ تصویر کے نام کی شناخت کریں تو ان حروف کی شکلیں ان کے ذہن میں نقش ہو جاتی ہیں۔

(4) جملے کا طریقہ:

الفاظ کو خصوصیت کے ساتھ قبول کیے جانے کے بعد اس طریقہ میں جملوں کو خصوصیت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ان جملوں کو ایک تسلسل میں لکھنا چاہیے۔ جملے لکھ کر ان کے مطلب کو اجاگر کرنے والی تصویر اتار کر کارڈ بنا لینا چاہیے۔جملوں کے کارڈ کو بچوں کے ذریعہ پڑھانا چاہیے۔جملوں کے کارڈ کو الفاظ کے طریقہ کے مطابق تین طرح سے تیار کرنا چاہیے۔

1) شناختی جملے کے کارڈ

2) دورخی کارڈ

3) جوڑ والے جملوں کے کارڈ

(5) کہانی کا طریقہ:

دیکھ کر پڑھنے کے طریقہ میں کہانی کا طریقہ بھی ایک ہے۔اس کے مطابق اسباق کو سکھانے کے لیے تین طریقوں کی کہانی کی تصاویر تیار کر لینی چاہیے۔

1) شناختی کہانی کی تصاویر

2) دورخی کہانی کی تصاویر

3) جوڑنے والے کہانی کی تصاویر۔

طالب علم کو پہلے کہانی پر بعد میں جملوں کے الفاظ پر اس کے بعد حروف پر توجہ مبذول کرواتے ہوئے حروف کی شناخت کرنے تک الفاظ کے طریقہ سے ہی تدریس کے طریقہ کو استعمال کرنا چاہیے۔

4.7 لکھنا اور اس کی اہمیت

زبان کی مہارتوں میں آخری انتہائی اہمیت کی مہارت لکھنا ہے۔ لکھنے سے مراد تحریر کرنا ہے۔اپنے خیالات کو بہتر تحریر کے ذریعہ راغب کرنے والے اسلوب میں خوش خطی کے ساتھ لکھنا زبان کی مہارت کے لیے انتہائی ضروری ہے۔شعرا اور مصنفین اپنے خیالات کو مختلف طریقوں سے تحریری انداز میں ہی پیش کرتے ہیں۔خوش خطی طلبہ کے لیے ایک عظیم عطیہ ہے۔ لکھنے کی مہارت میں ہم طلبہ سے کیا امید کر سکتے ہیں:

- ☆ بہتر انداز میں لکھنا
- ☆ بغیر غلطیوں کے لکھنا۔
- ☆ بلا خوف وخطر لکھنا
- ☆ روانی کے ساتھ لکھنا۔
- ☆ خوبصورتی کے ساتھ لکھنا
- ☆ خیالات کے تسلسل کے ساتھ لکھنا۔
- ☆ رموز واوقاف کے ساتھ لکھنا
- ☆ موقع کی مناسبت سے خیالات کا ظہار کرتے ہوئے لکھنا۔
- ☆ قارئین کو سمجھنے کے انداز میں لکھنا
- ☆ محاورے اور ضرب المثل کا استعمال کرتے ہوئے لکھنا۔

☆ **لکھنے کی صلاحیت کو فروغ دینے کی تدابیر:**

لکھنے کی تیاری:۔ اکتساب کے لیے تیاری انتہائی اہم ہے۔اس میں لکھنا بے حد مشکل مہارت ہے کیونکہ چھوٹے بچوں کے ہاتھ کی انگلیاں نہایت نرم و نازک ہوتی ہیں۔قلم اور پنسل پکڑ کر لکھنے کے لیے ہاتھ کی انگلیوں کے عضلات کو مربوط ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کے علاوہ لکھتے وقت بصارت اور انگلیوں کے درمیان ربط وضبط ہونا چاہیے اسی وقت بچے درست لکھ سکتے ہیں۔اس کے لیے بچوں کو لکھنے کے لیے تیار کرنا چاہیے۔مدرسہ میں داخلہ کے ساتھ ہی انہیں حروف سکھانے کے بجائے پہلے قلم پکڑنے کا طریقہ سکھانا چاہیے۔انہیں خوشی کے ساتھ رہنے کے لیے مختلف قسم کے خطوط، دائرے بتانا چاہیے۔روایتی لکھنے کے مشاغل کروانا چاہیے۔ان کی پسندیدہ تصاویر بنانے دینا چاہیے۔وہ کسی بھی طرح تصویر اتاریں تو غلطی نہیں ہوتی۔ان کا لکھنا ہی ہمارے لیے اہم ہے۔بچے اس طرح ان کی پسندیدہ تصاویر دائرے،خطوط،اتارنے سے جُڑ جاتے ہیں۔لکھنا بھی ایک کھیل سمجھتے ہیں۔بچوں کو کھیل بہت پسند ہوتے ہیں۔ہم جو بھی سکھائیں کھیلوں کے ذریعہ ان فطری دلچسپی کو محسوس کرنا چاہیے۔اسی وقت فطری اکتساب ہوتا ہے۔اس طرح ان کے ہاتھ کی انگلیاں اور عضلات رفتہ رفتہ نظم وضبط پیدا کرتے ہوئے لکھنے میں معاون ہوتے ہیں۔اس کے بعد ہم انہیں حروف کی جانب موڑ سکتے ہیں۔اسی کو لکھنے کی تیاری کہتے ہیں۔

4.8 پڑھنا اور لکھنا۔ پہلے کیا ہونا چاہیے

روایتی طریقہ میں اپنے مدرسہ میں آج تک زیادہ تر اساتذہ بچوں کے داخلہ کے ساتھ ہی لکھنا سکھانے کے ذریعہ تعلیم آغاز کر رہے ہیں۔ان معصوم بچوں کو کم عمری میں انہیں نہ سمجھ میں آنے والے حروف کو خراب حالت میں لکھوا رہے ہیں۔یہ طریقہ تعلیمی نفسیات کے اصولوں کے خلاف ہے۔مہارتوں کو سکھانے میں سننا، بولنا، پڑھنا،لکھنا۔اس کو معلم لازمی طور پر اپنانا چاہیے۔پڑھنا اور لکھنا میں پہلے پڑھنا اور اس کے بعد لکھنا ہونا چاہیے۔کیوں کہ بولنے سے اس کا قریبی تعلق ہے۔بولنے، پڑھنے میں آواز کے اعضا (ہونٹ، زبان) متحرک ہوتے ہیں۔اس لیے لکھنے کا طریقہ کچھ اور ہے۔اس کے لیے مکمل طور پر ہاتھ کی انگلیوں سے کام کیا جائے۔ایک اور اہم بات یہ ہے کہ تعلیمی نفسیات کے اصول کے مطابق اکتساب معلوم سے نامعلوم کی طرف آسان سے مشکل کی طرف ہونا چاہیے۔اس کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لکھنے سے پہلے پڑھنا ہی سکھانا چاہیے۔

4.9 کمرۂ جماعت میں لسانی فروغ کی سرگرمیاں

کمرۂ جماعت میں معلم کی تدریس کا مقصد طلبہ کی پوشیدہ تخلیقی صلاحیت کو باہر نکالنا ہے۔تخلیقی صلاحیت سے مراد ہر ایک فرد میں موجود اس کی انفرادی صفت ہے۔طلبہ میں پوشیدہ صلاحیتوں کو باہر نکالنا ہی تخلیقی صلاحیت کہلاتی ہے۔بہترین لکھنے کی مہارت حاصل ہونے کے بعد ان سے مضامین لکھوانا چاہیے۔کہانیاں اور چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھوانا چاہیے۔اداکاری کے لیے مکالمے لکھوانا چاہیے۔دیکھے ہوئے واقعات کو قلم بند کروانا چاہیے۔

مضامین:

موضوع کی اہمیت کے مطابق تجزیہ کرکے تفصیلی طور پر لکھنے کو ہی مضمون کہتے ہیں۔پانچویں جماعت سے خود کی پسندیدہ جگہ،تہوار،

رہنماؤں کے بارے میں طلبہ سے اُن کے اپنے الفاظ میں چھوٹے چھوٹے مضامین لکھوا سکتے ہیں۔اس کے لیے معلم چند نمونے کے مضامین لکھ کر طلبہ کو سنانا چاہیے۔

خطوط:

خطوط کا بہترین زبان میں سامنے والے سے مکالماتی انداز میں لکھنا بھی ایک فن ہے۔طلبہ کو ابتدائی سطح میں ہی خطوط لکھنے کے لیے اچھی مشقیں فراہم کرنا چاہیے۔

خط کی خصوصیات:

ظاہری خصوصیات:

1۔ مقام اور تاریخ　　2۔ القاب　　3۔ موادِ مضمون　　4۔ خاتمہ

5۔ مکتوب الیہ کا پتہ

باطنی خصوصیات:

1۔ موضوع کا آغاز　　2۔ موضوع کا پھیلاؤ　　3۔ اختتام

ظاہری خصوصیات تمام خطوط میں یکساں ہوتی ہیں۔صرف القاب میں تبدیلی ہوتی ہے۔اعلیٰ جماعتوں میں موضوع میں وسعت ہوتی جاتی ہے۔

4.10 یاد رکھنے کے نکات

(1) سننا۔بولنا۔پڑھنا۔لکھنا

طلبہ کی مکمل نشو ونما کے لیے ترجیحی مہارتوں کی طرح معاون ہوتے ہیں۔

☆ بہترین سماعت صحیح گفتگو کے لیے، صحیح گفتگو بہترین پڑھنے کے لیے، بہترین پڑھنا بہترین تحریر کے لیے راستہ بناتے ہیں۔

☆ بہتر انداز میں غلطیوں کے بغیر بلا خوف وخطر روانی کے ساتھ گفتگو کرنا بہت بولنے کی خصوصیات ہیں۔دنیا کو دیکھنے کے لیے آنکھ کی جتنی ضرورت ہے دنیا کی معلومات کے لیے مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے۔

☆ زبان کی مہارتوں میں سب سے اہم اور سب سے مشکل لکھنا ہے۔

☆ اپنے خیالات کے اظہار کے طرز کو بہتر تحریر کے ذریعہ خوش خطی سے لکھنا زبان کی مہارت کے لیے عطیہ ہے۔

کمرۂ جماعت میں لطف اندوز کرنے والی نظمیں، گیت، کہانیاں سنانے کے ذریعہ طلبہ کی سننے کی صلاحیت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔دوسرے دلچسپ پروگراموں کو سنانے سے بھی طلبہ کی سننے کی صلاحیت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔طلبہ کو آزادی سے گفتگو کرنے کا ماحول فراہم کرنے کے ذریعے، نئے نئے الفاظ اور زبان و بیان کا استعمال کرتے ہوئے گفتگو کروانے سے، دلچسپ مکالمے ادا کروانے سے، مناظر کی تشریح کرنے سے،طلبہ کی بولنے کی صلاحیت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔سننے کی مشق کو فروغ دینا قوتِ تخیل اور سوچنے کی صلاحیت کو فروغ دینا اور اخلاقی اقدار کی کہانیوں کے ذریعہ سے حاصل ہونے والے فوائد ہیں۔

اسباق کو چھوٹے چھوٹے ڈراموں میں تبدیل کر کے بچوں کے ذریعہ اداکاری کروانے کے ذریعہ ان میں موجود تخلیقی صلاحیت باہر آتی ہے۔

4.11 فرہنگ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
صلاحیت	خوبی، لیاقت، اہلیت، سمجھ	اجتماعی	جمع یا اکٹھا ہونا، یکجا، اجتماع
تقابل	مقابلہ کرنا، برابری کرنا، تولنا	تسلسل	سلسلے وار، لگاتار، بغیر رکے
دورخی	دو طرفہ، جس کے دو رخ ہو	عضلات	بدن کا ٹکڑا، عضلہ کی جمع
خوش خط	اچھی تحریر، عمدہ لکھا ہوا	وسعت	پھیلاؤ، کشادہ، چوڑائی
پوشیدہ	چھپا ہوا، جو دکھائی نہ دے	صفت	خوبی، تعریف

4.12 نمونۂ امتحانی سوالات

معروضی جوابات کے حامل سوالات

(1) پوشیدہ صلاحیتوں کو باہر نکالنا ________________ صلاحیت کہلاتا ہے۔

(2) پڑھنا لکھنا میں سے کیا ہونا چاہیے؟

(3) زبان کی مہارتیں ________________

(4) بولنے کی غلطیوں کے تدارک کے لیے ________________ خوانی ضروری ہے۔

(5) رموز اوقات ________________ ہیں۔

مختصر جوابات کے حامل سوالات

(1) زبان کی مہارتیں کون کون سی ہیں؟ بتلائیے۔

(2) سننے سے کیا مراد ہے؟ اس کی اہمیت کو اجاگر کریں۔

(3) زبان کی مہارتوں کو فروغ دینے کے کون کون سے طریقے ہیں؟ بتلائیے۔

(4) زبان کی مہارتوں کے فروغ میں کون کون سے مشاغل کیے جاسکتے ہیں۔

طویل جوابات کے حامل سوالات

(1) بولنے سے کیا مراد ہے؟ بولنے کی غلطیوں کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟

(2) پڑھنے کی اہمیت کو بتلائیے۔ پڑھنے کی صلاحیت کو کیسے فروغ دیا جاسکتا ہے؟

(3) لکھنے سے کیا مراد ہے؟ لکھنے کی صلاحیت کو کیسے فروغ دیا جاسکتا ہے؟

(4) کمرۂ جماعت میں لسانی فروغ سے متعلق آپ کون سی سرگرمیاں انجام دیں گے؟

(5) لسانی مہارتوں کے فروغ میں تدریسی و تعلیمی وسائل کا کیسے استعمال ہوتا ہے؟

4.12 تجویز کردہ مواد

(1)	طریقۂ تعلیم اردو	:	ملا فخر الحسن
(2)	تدریس اردو	:	احمد حسین
(3)	طریقۂ تدریس اردو	:	سید جلیل الدین
(4)	تدریس زبان اردو	:	شروانی
(5)	اردو زبان کی تدریس	:	عین الدین

اکائی۔5۔ اردو زبان کی تدریس و منصوبہ بندی

اکائی کے اجزا؛

5.1 تمہید

5.2 مقاصد

5.3 پس منظر

5.4 اردو زبان کی تدریس کے خاص و عام مقاصد

5.5 بلوم کے تعلیمی مقاصد کی درجہ بندی

5.6 سبق کی منصوبہ بندی

5.6.1 منصوبہ بندی کے مراحل

5.6.2 مقاصد

5.6.3 تمہید یا تعارف

5.6.4 سابقہ معلومات کی جانچ

5.6.5 محرکہ

5.6.6 اعلان سبق

5.6.7 پیش کش

5.6.8 طریقہ تدریس

5.6.9 مواد مضمون (متن)

5.6.10 بلند خوانی

5.6.11 خاموش مطالعہ

5.6.12 رائٹنگ بورڈ اور تدریسی امدادی اشیا کا استعمال

5.6.13 جائزہ/موازنہ

5.6.14 تعمیم

5.6.15 اطلاق

5.6.16 اعادہ

5.6.17 تفویض کار یا گھر کا کام
5.7 خرد تدریس(Micro Teaching)
5.7.1 خرد تدریس کی خصوصیت
5.7.2 خرد تدریس کا منصوبہ سبق (ماڈل لیسن پلان)
5.8 اشارات سبق(Lesson Plan)
5.9 یاد رکھنے کے نکات
5.10 فرہنگ
5.11 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں
5.12 تجویز کردہ مواد

5.1 تمہید

کہا جاتا ہے کہ انسان مہد سے لحد تک علم حاصل کرتا ہے۔اور کوئی بھی علم کسی زبان کے بغیر حاصل کرنا مشکل ہی نہیں بہت حد تک ناممکن بھی ہے۔اپنے احساسات، جذبات وخیالات کو دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں سے موصول کرنے میں ہم زبان کا ہی استعمال کرتے ہیں۔کسان ،مزدور، کاریگر،فن کار،موسیقار، تاجر،ٹیکنیشین، انجنیئر ،ڈاکٹر وحکیم غرض معاشرے کا ہر انسان اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے، دوسروں کی مدد کرنے اور اپنی مدد آپ کرنے کے لیے بھی کسی نہ کسی زبان کا ہی استعمال کرتا ہے۔معاشرے کے وہ افراد جنہیں ہم ناکارہ و بے کار کہتے ہیں مثلاً چور، بدمعاش، جیب کترے، سائل وفقیر سب کے سب زبان کے ذریعے ہی اپنی روزی روٹی کا انتظام کرتے ہیں۔ایک عام انسان اپنی انفرادی زندگی میں بھی زبان ہی سے فیضیاب ہوتا ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی۔پوسٹر،اخبارات،سائن بورڈ اشتہار کی شکل میں زبان ہمارے اردگرد گردش کرتی ہے اور کسی نہ کسی طرح ہم ان اشتہاروں اور اخبارات ورسائل سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔زبان کے ان سب وظائف کی اصل تعلیم ہے اور تعلیم کے دونوں اہم سرے (مراکز) یعنی طلبا واساتذہ زبان کے ذریعے ہی اپنے تجربات کی ترسیل کرتے ہیں۔یہی نہیں مفکر، مدبر،شعرا، ادبا اور سیاست داں بھی بزورِ زبان ملک وقوم کی خدمت کرتے ہیں۔ان سب کی کارکردگی کے لیے زبان پر مہارت حاصل کرنا بے حد ضروری ہے۔پہلے ہمیں اپنی مادری زبان میں اور پھر اس کی مدد سے دیگر زبانوں کے ذریعے ان علوم وفنون کو فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔

عصر حاضر میں اردو زبان کی حیثیت ایک بین الاقوامی زبان کی ہوگئی ہے۔اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف سطحوں پر اس کی تدریس کی جائے۔ہندوستان جیسے کثیر لسانی ملک میں اردو کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس کے ذریعے قومی یکجہتی کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔مزید یہ کہ اردو ایک زبان ہی نہیں بلکہ ایک تہذیب ہے، ایک کلچر اور ثقافت ہے۔اس لیے آنے والی نسلوں اور سماج کے دوسرے افراد تک اس کی منتقلی نہایت ضروری ہے۔جن افراد کی مادری زبان اردو نہیں یا جو اول زبان کی حیثیت سے اردو کی تعلیم حاصل نہیں کررہے ہیں۔ان کو سہ لسانی فارمولے کے تحت ثانوی زبان کی حیثیت سے اردو کی تعلیم دی جارہی ہے۔چنانچہ خواہ پہلی زبان کی حیثیت سے اردو کی تدریس کا معاملہ ہو یا ثانوی زبان کی حیثیت سے، اس کی تدریس کے لیے اساتذہ کی تربیت بہت ضروری ہے۔تاکہ وہ اردو کی تدریس اور اس کے منہاج و مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے طلبا کے بہتر مستقبل کی ضمانت فراہم کرسکیں۔

اردو زبان وادب کی آفاقی حیثیت کو دیکھتے ہوئے ہندوستان اور بیرون ملک میں اسے بحیثیت تیسری اور بین الاقوامی زبان کے تدریس کا انتظام ہے۔مختلف ممالک ،افراد اور ادارے اپنے ثقافتی لین دین اور تمدنی ہم آہنگی کی وجہ سے دنیا کی معروف زبانوں کا مطالعہ ضروری سمجھتے ہیں۔اس ضرورت کے تحت متعدد ممالک نے اپنے تعلیمی اداروں کے نصاب میں اردو کو شامل کیا ہے۔ان ممالک کی تعداد 100 سے زیادہ ہے جن میں اردو ابتدائی سطح سے تحقیق کی سطح تک بحیثیت تیسری یا بین الاقوامی زبان پڑھائی جاتی ہے۔لہٰذا تیسری زبان کی حیثیت سے اردو کے تدریسی منہاج ومقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے لیے درسیات کی تیاری اور اساتذہ کی تربیت نہایت ضروری ہے۔ اس اکائی میں اردو کی مختلف حیثیتوں اور سطحوں پر اس کی تدریسی اہمیت وافادیت کے ساتھ ساتھ اردو کے تدریسی مقاصد پر پوری طرح روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جس طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں صحیح منصوبہ بندی کے ذریعہ ترقی کے ہدف کو حاصل کیا جاسکتا ہے اسی طرح تعلیم کے ضمن

میں موثر منصوبہ بندی کامیاب تدریس اور بہتر تعلیمی نتائج کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ تعلیمی منصوبہ بندی درحقیقت پورے تدریسی عمل کا بلو پرنٹ ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی میں منصوبہ ساز کا اعلیٰ تخیل' مدلّل سوچ' اور موضوعی مہارت شامل ہوتی ہے۔ چونکہ اساتذہ بہتر منصوبہ ساز بھی ہوتے ہیں اس لیے تعلیم کی بہتر کارکردگی' موثر تدریس اور اس کے لیے موزوں انتظام ان سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا۔ لیکن منصوبہ بندی کرتے وقت معیار تعلیم' طلبا کی نفسیات' تعلیمی اہداف' انسانی وسائل' تعلیمی انفراسٹرکچر اور ماضی کی کامیابی اور ناکامی کے تئیں محتاط رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ منصوبہ بندی ہمیشہ لچک دار ہونی چاہیے۔

چنانچہ اس اکائی میں سبق کی منصوبہ بندی' اس کے عناصر' سبق کی منصوبہ بندی کے مراحل اور طریقہ کار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جس طرح کوئی بھی بڑا کام کرنے سے پہلے اس کا خرد پلان تیار کر لیا جاتا ہے۔ اسی کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس اکائی میں میکرولیسن پلان سے پہلے مائیکرولیسن پلان (خرد تدریس) کو بہتر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ خرد تدریس کی خصوصیات اور اس کی تعریفات اور مختلف مراحل کو مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس اکائی میں خرد تدریس کے پانچ مہارتوں پر ماڈل لیسن دیا گیا ہے۔ تاکہ آپ کو مشقی تدریس کے دوران کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ مشقی تدریس کو مزید آسان بنانے کے لیے سبق کی مختلف طرح کی منصوبہ بندی اور اس میں استعمال ہونے والی تدریسی اشیا اور طریقہ استعمال کا بھرپور تذکرہ ہے۔ اسی اکائی میں آپ کی آسانی کے لیے اشارات سبق کے پانچ ماڈل اشارات سبق نثر، نظم، غزل، قواعد اور انشا دیے گئے ہیں۔ تدریسی منہاج و مقاصد کے حصول کو آسان اور دلچسپ بنانے کے لیے سمعی بصری تدریسی امدادی اشیا کا استعمال ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس اکائی میں سمعی بصری تدریسی امدادی اشیا کے متعلق مختصر مگر جامع معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

5.2 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد:

- ☆ طلبا ثانوی سطح پر تدریس اردو کے اغراض و مقاصد کی صراحت کر سکیں گے۔
- ☆ اردو تدریس کے تعلیمی مقاصد کے علاوہ اس کے دیگر افادی پہلوؤں کی وضاحت کر سکیں گے۔
- ☆ ثانوی سطح پر اردو کو بحیثیت مادری زبان یا زبان اول کے اس کی اہمیت و افادیت بیان کر سکیں گے۔
- ☆ اردو تدریس کے اغراض و مقاصد بحیثیت ثانوی زبان یا زبان دوم کے بیان کر سکیں گے۔
- ☆ ہندوستان میں اردو کے موقف کی جانکاری حاصل کر سکیں گے۔
- ☆ اردو کی بین الاقوامی حیثیت سے واقف ہو سکیں گے۔
- ☆ اسکولی درسیات میں اردو کی اہمیت اور مقام کی وضاحت کر سکیں گے۔
- ☆ اور ثانوی سطح پر اردو کے نصاب کا عمومی جائزہ لے سکیں گے۔
- ☆ منصوبہ سبق کے اغراض و مقاصد بیان کر سکیں گے۔
- ☆ منصوبہ سبق کے مختلف طریقے اور عناصر کی صراحت کر سکیں گے۔
- ☆ خرد منصوبہ سبق اور اشارات سبق کے مختلف نکات کی جانکاری حاصل کر سکیں گے۔

☆ خرد تدریس کے اغراض ومقاصد اور طریقہ تدریس کا جائزہ لیں سکیں گے۔

☆ منصوبہ سبق کے اشارات تیار کر سکیں گے۔

☆ مختلف اصناف کے منصوبہ سبق کے طریقہ کار سے بحث کر سکیں گے۔

☆ غزل کی انفرادی منصوبہ سبق کا تجزیہ پیش کر سکیں گے۔

☆ مشقی تدریس کے دوران معاون تدریسی اشیا (سمعی وبصری) کے استعمال کی جانکاری حاصل کر سکیں گے۔

5.3 پس منظر

کسی بھی تدریسی عمل کو احسن طریقے سے انجام دینے کے لیے اس کی منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ سبق کی منصوبہ بندی نہایت ضروری ہے کیونکہ سبھی منصوبہ بندیوں کی کامیابی سبق کی بہتر منصوبہ بندی پر ہے۔ منصوبہ سبق کی اچھی ترسیل ہی درس و تدریس کی کامیابی کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ اگر سبق کی منصوبہ بندی بہتر طریقے سے نہ کی جائے اور اُن کا اِطلاق درجے میں طلبا پر نہ ہو تو کسی منصوبہ بندی کا کوئی فائدہ نہیں۔

سبق کی کامیابی کے لیے موزوں منصوبہ بندی ٹھیک اسی طرح ضروری ہے جیسے تعمیر و ترقی کے دوسرے شعبوں میں ہوتی ہے۔ جیسے کسی کام کے منہاج و مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اور اُس سے بہتر نتائج اخذ کرنے کے لیے صحیح منصوبہ بندی کی جاتی ہے ٹھیک اسی طرح بہتر تدریس، اس کی ترسیل، تفہیم اور آموزش کے لیے سبق کی منصوبہ بندی نہایت ضروری ہے۔ ایک موثر اور ذمہ دار اُستاد کے لیے کلاس روم میں اپنی تدریس کو دلچسپ اور بہتر بنانے کی کوشش ضروری ہے۔ اساتذہ کو پڑھانے سے قبل ذہنی طور پر تیار ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ عام طور سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو اساتذہ ذہنی طور پر سبق کی تیاری نہیں کرتے اور منصوبہ سبق تیار کر کے درجے میں نہیں جاتے وہ کمرۂ جماعت میں اِدھر اُدھر کی خوش گپیاں کر کے اپنا اور طلبا کا وقت خراب کرتے ہیں۔ بعض دفعہ اپنی لاپروائی کی وجہ سے اساتذہ کو کمرۂ جماعت میں اپنی لاعلمی، کم علمی اور بے عزتی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہی اساتذہ سبق کے لیے منصوبہ بندی کر لیں، سبق کے اشارات تیار کر لیں اور ذہنی طور پر اپنے آپ کو سبق سے، اس کی تفہیم سے اور طلبا کی ذہنی سطح سے ہم آہنگ کر لیں تو مذکورہ حالات سے بچا جا سکتا ہے اور وقت کا صحیح استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔

یوں تو تجربہ کار اور عمر رسیدہ اساتذہ کے لیے بھی منصوبہ سبق اور اس کے اشارات سبق کی تیاری کے ضمن میں بہت کارآمد ہوتے ہیں جب کہ زیرِ تربیت اساتذہ کے لیے منصوبہ سبق کی تیاری اُن کی تربیت کا اہم ترین پہلو ہے۔ چنانچہ زیرِ تربیت اساتذہ کے لیے ضروری ہے کہ منصوبہ سبق اور اشاراتِ سبق پر خاص توجہ دیں۔ مختلف علوم وفنون کی تدریس کے لیے منصوبہ سبق کی تیاری کا مرحلہ اور اُن کے اقدامات الگ الگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے تدریسی مقاصد قدرے مختلف ہوتے ہیں۔ بعض مضامین معلوماتی ہوتے ہیں، بعض تجرباتی۔ زیرِ تربیت اساتذہ کو چاہیے کہ اُن مضامین اور علوم کے درسی مقاصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے اشاراتِ سبق کی تیاری کریں اور اُن کے اہم نکات واقدامات کو تحریر کرنے کے علاوہ ذہن نشیں بھی کر لیں۔

5.4 اردو زبان کی تدریس کے خاص و عام مقاصد

دنیا میں کسی بھی کام کے کرنے کا کچھ نہ کچھ مقصد ہوتا ہے۔بغیر مقصد کے اور معیار کے طے کیے ہوئے کوئی بھی کام بہتر طور سے انجام نہیں دیا جاسکتا ہے۔ابتدائی سطح پر تدریس اُردو کے بھی کچھ عام اور کچھ خاص مقاصد ہیں ان مقاصد کو سمجھے بغیر تدریس کا کام نہ تو آسان ہوگا اور نہ ہی معیار کے مطابق۔ دنیا کی ساری زبانیں تدریس کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ اپنا پس منظر رکھتی ہیں۔ اردو کی تدریس کا بھی واضح پس منظر موجود ہے لیکن کیا ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں جہاں اردو اس کے تہذیبی' ثقافتی اور سماجی پس منظر میں رچی بسی ہے اور جہاں اردو کی تدریس کئی نہج پر کی جاتی ہے، یہ طے کر لینا ضروری نہیں کہ آیا ہمارے سامنے ٹارگیٹ گروپ کیا ہے؟اس ٹارگیٹ گروپ کے تدریسی مقاصد کیا ہیں؟ ابتدائی سطح پر بھی اُردو زبان کی تدریس کئی مقاصد کے تحت کی جاتی ہے مثلاً بحثیت مادری زبان' ثانوی زبان' تیسری زبان نیز ان لوگوں کے لیے بھی جو کسی زبان کا مطالعہ کر چکے ہوں اور اس کے ذریعے اُردو زبان سیکھنا چاہتے ہوں۔ مذکورہ ہر منزل پر اُردو تدریس کے مقاصد الگ الگ ہوں گے۔لیکن ان کا ایک دوسرے سے باہمی ربط بھی ہوتا ہے۔ یہ ربط افقی اور عمودی دونوں طرح سے ہوسکتا ہے یعنی زبان کی تدریس کا تعلق کسی نہ کسی طرح اسکول کے دوسرے مضامین سے بھی ہوتا ہے اور بغیر اس ربط کے اردو تدریس کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے جو نصاب تیار کیا جائے گا وہ بے ضابطگی کا شکار ہو جائے گا۔

عام مقاصد

ابتدائی سطح پر جس کے درجات سرکاری اعتبار سے اول تا آٹھویں درجہ پر مشتمل ہیں' اُردو تدریس کے مقاصد بڑی حد تک مبہم ہیں کیونکہ قومی سطح پر اس کے طے شدہ مقاصد نہیں ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اردو کسی ریاست کی دوسری سرکاری زبان ہے تو کسی کی پہلی۔ کسی علاقے میں پوری طرح بولی، پڑھی لکھی اور سمجھی جاتی ہے تو کئی علاقوں میں جزوی طور پر۔ تاہم ابتدائی منزل پر تدریس اردو کے عام مقاصد میں مندرجہ ذیل مقاصد شامل ہیں۔

1) آوازوں کو سن کر انہیں دہرانا اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنا۔
2) سنی ہوئی بات کو ٹھیک اسی طرح دہرانے کی خوبی پیدا کرنا۔
3) زبان کی علامتوں کے ذریعے لکھ کر اپنی بات کا اظہار کرنا۔
4) لکھی ہوئی عبارت کو صحیح طور پر پڑھ کر اس کا مطلب واضح کرنا۔
5) اُردو زبان میں اپنے خیالات وجذبات کا اظہار کرنا۔

ان عام مقاصد کے علاوہ کچھ ایسے مقاصد ہیں جن کے حاصل کیے بغیر تدریس اردو کا مقصد قطعی حاصل نہیں ہوسکتا۔ان کو خاص مقصد کہتے ہیں۔

خاص مقاصد

درجہ اول تا آٹھویں کے طلبا کے لیے درج ذیل چار مقاصد کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے تا کہ ثانوی درجات میں داخل ہونے سے قبل انہیں زبان کی عمومی جانکاری حاصل ہو جائے۔

1. اردو بولنا   2. اردو پڑھنا
3. اردو لکھنا   4. اردو سمجھنا

ان مقاصد میں پوشیدہ کئی جزوی مقاصد بھی ہوتے ہیں۔ان مقاصد کے تحت وقت کا تعیّن ہوتا ہے۔ بہت حد تک طریقہ کار بھی متعین ہوتا ہے۔ابتدائی سطح اس اعتبار سے بہت ہی اہمیت کی حامل ہے کہ اس سطح پر ہی طلبا میں لسانی عادتیں بھی پختہ کرائی جاتی ہیں۔

چونکہ ذہنی وجسمانی نشوونما کی بہت ساری منزلیں بچے ان ہی ابتدائی جماعتوں میں طے کرتے ہیں اس لیے ان ہی سطحوں پر ان کے خیالات،احساسات اور جذبات کی نشوونما بھی ہوتی ہے نیز شخصیت سازی کی بہت اہم منزل بھی یہی ہے۔اس لیے اس سطح پر زبان کی تدریس کے مقاصد بہت اہمیت کے حامل ہیں۔اساتذہ کے لیے مندرجہ بالا چاروں مقاصد کی آگہی کے لیے بہت سخت محنت اور صبر وتحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔

اُردو بولنا سکھانا

چونکہ بچہ اپنے ماحول سے اسکول میں بولتے ہوئے داخل ہوتا ہے اور اس کے پاس چھوٹا سا ذخیرۂ الفاظ بھی ہوتا ہے اس لیے اساتذہ کو اردو بولنا سکھانے میں کسی خاص دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ پھر بھی طلبا کو گفتگو کرنے پر قدرت حاصل کرنے میں اساتذہ کو رہنمائی کرنی چاہیے۔ بولتے وقت صاف صاف آواز اور صحت الفاظ کا خیال رکھ کر بولنے کی مہارت پیدا کرنی چاہیے۔صحیح تلفظ کے ساتھ گفتگو کی مشق کرنی چاہیے۔بولتے وقت جملے اور فقرے کے اُتار چڑھاؤ کا خیال رکھنا چاہیے۔ بناوٹی گفتگو سے پرہیز کرتے ہوئے فطری انداز کی گفتگو کی عادت ڈالنی چاہیے۔بولنا سکھانے کے مختلف طریقے اور اس کے لیے سمعی وبصری آلات کا استعمال بھی ضروری ہے۔

اُردو پڑھنا سکھانا

ابتدائی منزل پر زبان کی تدریس کا جو سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے‘ وہ پڑھنا سکھانا ہوتا ہے۔استاد سب سے پہلے پڑھنا سکھانے کی طرف توجہ دیتا ہے۔پڑھنا سکھانے میں شروع سے ہی صحیح تلفظ کی طرف دھیان دینا چاہیے اور طلبا میں اس کی مہارت پیدا کرنی چاہیے کہ وہ الفاظ کو،فقروں کو اور جملوں کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھیں۔شروع شروع میں اعراب کے ساتھ پڑھنے کی مہارت پیدا کرنی چاہیے تاکہ آگے چل کر بغیر اعراب کے متن بھی ہوں تو صحیح پڑھنے میں دشواری پیدا نہ ہو۔ابتدائی سطح کی شروع کے درجات میں ہجّے کا خاص خیال رکھنا چاہیے اور بچے کو مناسب لب و لہجے کے ساتھ الفاظ کی ہجّے بتانی چاہیے تاکہ آگے چل کر بلند خوانی اور خاموش مطالعے میں موزوں لب و لہجے کے ساتھ عبارت خوانی میں مہارت پیدا ہو سکے۔

اُردو لکھنا سکھانا

ابتدائی سطح پر جو سب سے مشکل مرحلہ آتا ہے وہ بچوں کو اُردو لکھنا سکھانا ہوتا ہے۔بولنے اور پڑھنے کی مشق ہونے کے بعد لکھنا سکھایا جاتا ہے۔ابتدائی سطح کے مدرس کو لکھنا سکھانے میں سب سے زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ حرفوں کی مختلف اشکال‘ ان کے نقوش، نقطے، شوشے،مراکز اور طرز تحریر کی عادت ابتدائی سطح پر جیسی پڑ جاتی ہے‘ وہ پوری زندگی قائم رہتی ہے کیونکہ ؎

خشتِ اول گر نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اس نہج پر حرفوں کی صحیح شناخت اور درست املا کے ساتھ لکھنے کی مہارت پیدا کرنی چاہیے۔طلبا کو لکھنا سکھاتے وقت خاص طور سے

شوشے، دائرے اور نقطے کی صحیح جگہ کا دھیان رکھنا چاہیے۔ ایک لفظ سے دوسرے کے درمیان واضح فرق (دوری) ہونی چاہیے۔ جملوں میں لفظوں کی ترتیب اور سطور کے سیدھے ہونے کا خیال رکھنا چاہیے۔ مرکب لفظ لکھتے وقت اس کی ملاوٹ کا خیال رکھنا چاہیے۔ تحریر میں صحت اور صفائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے اور ان سبھی باتوں کے بعد جملوں میں اوقاف کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔

اُردو سمجھنا سکھانا

ابتدائی سطح پر بولنا، پڑھنا اور لکھنا سکھانے کے بعد جو مرحلہ آتا ہے وہ سمجھنا سکھانا یعنی تفہیم ہے۔ یعنی طلبا میں کس طرح یہ مہارت پیدا کی جائے کہ وہ عبارت کو پڑھ کر سمجھ سکیں اور اس کا اظہار اپنی زبان میں کرسکیں۔ اس سطح پر مدارس میں مختلف درجات ہوتے ہیں۔ شروع کے درجات میں تو تفہیم کا پہلو بہت زیادہ نہیں ہوتا بلکہ ان سطحوں پر حروف/الفاظ کی شناخت نیز تذکیر و تانیث، اسم اور اس کی قسمیں، متضاد و مترادف الفاظ وغیرہ سے واقف کرانا مقصود ہوتا ہے۔ لیکن ابتدائی تعلیم کے آخری درجات (چھٹی، ساتویں، آٹھویں) میں تفہیم کا پہلو بھی نمایاں ہوجاتا ہے۔

عام طور سے پوری ابتدائی سطح پر لفظ اور جملوں کی ساخت اور شناخت، بناوٹ اور ان کے استعمال کی سمجھ پیدا کرانی چاہیے۔ الفاظ کی صحیح ترتیب کے ساتھ پہچان کرانا چاہیے۔ نظم ونثر کے سوالات اور ان کے جوابات کی تفہیم اور پہچان میں مہارت ہونی چاہیے۔ اظہار خیال کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب بھی اسی سطح پر کرایا جانا چاہیے۔ نئے الفاظ، فقرے، محاورے، اور ضرب الامثال و کہاوتوں کا جزوی شعور بھی اسی نہج پر ہوجانا چاہیے کیونکہ ابتدائی سطح کے آخری درجات کا شمار ثانوی سطح کے اولین درجات میں بھی ہوتا ہے اور ''یہ زبان کے شعور کی دوسری منزل'' سمجھی جاتی ہے۔

ابتدائی سطح پر اُردو تدریس کے ان چار بنیادی عناصر کا مختصر جائزہ لینے کے بعد واضح طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان مہارتوں کے فروغ کے بعد طلبا میں اردو بولنے، پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے کی اتنی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے ہم جماعتوں میں تحریر وتقریر دونوں ذریعوں سے اظہار خیال کرسکیں۔ گرد وپیش کے ماحول سے جو کچھ سیکھا ہے اس کا لسانی اظہار حسب خواہش کرسکیں۔ اس سطح کے ابتدائی درجات میں جو مہارتیں/مشقیں ادھوری اور نامکمل یا مبہم رہ گئی ہوں آخری درجات تک ان میں پختگی حاصل کرلیں گے۔

تدریس اُردو کے دیگر افادی پہلو

تدریس زبان کے مقاصد کے سلسلے میں ماہرین تعلیم میں بہت ہی تنوع پایا جاتا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ لسانی مقصد دراصل افادی مقاصد ہیں۔ بعض نے اُسے معاشی اور سماجی مقاصد بھی تسلیم کیا ہے۔ ان مقاصد میں بولنے، پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت جس سے نہ صرف سماجی رابطے میں مدد ملتی ہے بلکہ انسان ان وسیلوں سے اپنے کاروبار اور پیشے کو بہتر سے بہتر بناسکتا ہے۔ ان مہارتوں کے حصول سے دیگر مضامین کی آموزش میں خاطر خواہ مدد ملتی ہے۔ ان کی وساطت سے دیگر زبانوں کے سیکھنے میں استحکام و وسعت پیدا ہوتی ہے۔ یہ مہارتیں انسان کی زندگی میں آگے چل کر شخصیت سازی کا وسیلہ بنتی ہیں اور ان کے ذریعے متوازن شخصیت کی نشوونما ہوتی ہے ان مہارتوں کے فروغ سے بچوں میں صحیح اور واضح اظہار کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے جو بعد میں ان کی عملی زندگی میں کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ اظہار خیال کے ذریعے طلبا کو نفسیاتی اور ذہنی سکون ملتا ہے۔ اظہار خیال کی پختگی کے لیے وہ نئے نئے الفاظ تلاش کرتا ہے۔ اس طرح اس کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے اور قوت تخیل پروان چڑھتی ہے نیز دوسروں کی تحریر وتقریر کو سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ انہی مہارتوں کے فروغ سے طلبا میں غور وفکر مشاہدہ اور مطالعے کا شوق پیدا ہوجاتا ہے۔ اگر ہم زبان کی تعلیم کے دائرے کو اور وسیع تناظر میں دیکھیں تو اس کے ذریعے

اقدار کا فروغ اور تہذیب وثقافت کی تدوین بھی ہوتی ہے۔ شعروادب کے مطالعے کا ذوق وشوق بھی پیدا ہوتا ہے اور اپنی وراثت کے محفوظ کرنے کا جذبہ بھی فروغ پاتا ہے۔ انہی مہارتوں کے فروغ سے طلبا میں مخفی تخلیقی، تخیلی، استحسانی اور تجرباتی صلاحیتوں کا فروغ ہوتا ہے۔ ہندوستان کے کینوس میں اگر ہم اردو زبان کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قومی اقدار جمہوریت، سیکولرزم، سوشلزم اور قومی ہم آہنگی کا ناقابل فراموش ذریعہ ہے۔

5.5 بلوم کے تعلیمی مقاصد کی درجہ بندی (Classification of Blooms Taxonomy)

انسان اپنی زندگی میں ہزاروں طرح کے کام انجام دیتا ہے۔ کبھی بامقصد تو کبھی بے مقصد۔ بے مقصد کاموں کے کرنے کا طریقہ اوراس سے ہونے والے اثرات کا نقش اس کے ذہن پر بہت دنوں تک قائم نہیں رہتا جبکہ بامقصد امور اور عمل کا طرز عمل، طریقہ کار اور اس کے اثرات دیرپا قائم رہتے ہیں۔ بعض کاموں کا اثر تو انسان کی پوری زندگی پر پڑتا ہے۔ تعلیم وتدریس کے زمرے میں ایسے بہت سے عمل کیے جاتے ہیں جس کا اثر طلبا (افراد) کے آئندہ کی عملی زندگی پر بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ طلبا کے ذریعہ کیے گئے کاموں کا کبھی منفی اور کبھی مثبت اثر پڑتا ہے۔ اسی لیے تعلیمی کاموں میں مقاصد کا تعین کرنا نہایت ضروری ہے۔ بغیر تعین مقصد کے کسی تعلیمی کام کا نتیجہ بہتر نہیں ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ تعلیم انسانی زندگی میں پائیدار اور مثبت تبدیلی لاتی ہے۔ اگر تعلیمی مقصد کا تعین نہ کیا جائے تو پائیدار اور مثبت تبدیلی مشکل ہی نہیں بہت حد تک ناممکن بھی ہے۔ تعلیم وتربیت کا کام طلبا کے کردار میں مثبت تبدیلی پیدا کر کے اعلیٰ انسانی اقدار سے روشناس کرانا ہے۔

تعلیمی مقاصد کا تعین زمانہ قدیم سے کیا جاتا رہا ہے لیکن ان مقاصد کے مختلف عناصر اور ان کے ذریعہ ہونے والی تبدیلیوں کی درجہ بندی (Classification) اور تجزیہ بہت قدیم نہیں۔ ماہرین تعلیم نے تعلیمی مقاصد کی افادیت کو مزید وسعت دینے کے لیے اس کے مقاصد کا مختلف طریقہ سے جائزہ لے کر تعلیمی مقاصد کا تعین کیا ہے۔ دور جدید کے مختلف تعلیمی تقاضوں کی تکمیل کے لیے انسانی وسائل کے فروغ کی بات کی گئی ہے۔ تعلیم وتدریس بھی انسانی وسائل کے زمرے میں آتی ہے۔ چنانچہ اکتسابی عمل کو منظّم اور مربوط کرنے کے لیے ان کی تحقیق اور تجزیہ ضروری ہے تبھی مقاصد کا تعین بہتر طریقہ سے کیا جاسکتا ہے۔ تعلیمی مقاصد کو قابل فہم اور قابل ترسیل بنانا بھی نہایت ضروری ہے۔

بلوم کی درجہ بندی

تعلیمی مقاصد کی درجہ بندی کے لیے بہت سے ماہرین تعلیم و ماہر تعلیمی نفسیات نے تجاویز پیش کی ہیں لیکن تعلیمی عمل میں B. S. Bloom کی تعلیمی درجہ بندی اور تصریحات زیادہ قابل قبول اور باعمل ہیں۔ اس نے اپنی کتاب A Taxonomy of Educational Objectives میں تعلیمی مقاصد کی درجہ بندی پر مدلّل انداز میں بات کی ہے۔ بلوم نے تمام تعلیمی مقاصد کو تین بڑے زمروں میں تقسیم کیا ہے جس کا نام "Domain" رکھا ہے۔

بنجامین بلوم اور اس کے رفقا نے تعلیمی مقاصد کی وضاحت اور حصولیابی کے لیے طلبا کے کردار میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو سامنے رکھ کر درج ذیل تین بڑے Domains (میدانوں) کی نشاندہی کی ہے۔

1. وقوفی میدان Cognitive domain
2. تاثراتی میدان Affective domain

3. نفسی حرکی میدان Psychomotor domain

بلوم نے سبھی تعلیمی مقاصد کو Behavioural changes یعنی نظریاتی کرداری، رویّاتی تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقاصد کا تجزیہ کیا ہے۔اس کے مطابق تعلیمی مقاصد اور رویّاتی تبدیلیوں کو اس طرح بیان کیا جائے کہ یہ تعلیمی طرز عمل آسان سے مشکل کی طرف گامزن ہو۔اس کی تقسیم تعلیمی اور اکتسابی تجربوں، تجزیوں، طریقہ کار اور تدریسی امدادی اشیا کو منتخب کرنے، ان کو منظّم کرنے اور ان سے بہتر نتائج اخذ کرنے، نیز اس کی جانچ کے لیے مناسب تکنیکیں استعمال کرنے میں معاون ثابت ہو۔اس درجہ بندی کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے پورا تعلیمی عمل منطقی طور پر مختص ہو جاتا ہے۔اور اس سے اہداف (Goals) کو حاصل کرنے کے لیے صحیح سمت کا تعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کی روشنی میں تعلیمی ادارے، اساتذہ، تعلیمی مشیر و حکام اپنے نصابی، ہم نصابی سرگرمیوں اور پروگراموں کا جائزہ لے سکتے ہیں اور مقاصد کا تعین کر سکتے ہیں۔مقاصد کی درجہ بندی کرتے وقت بلوم اور اس کے رفقا نے مذکورہ تین بڑے میدانوں (Domains) کو متعدد ذیلی سطحوں اور زمروں میں درجہ بند کیا ہے۔

5.5.1 وقوفی میدان (Cognitive Domain)

مقاصد کی تقسیم یا درجہ بندی جن کا ذکر مذکورہ بالا خاکہ کے ذریعہ ذہن میں ابھر کر سامنے آتا ہے Congnitive Domain یا وقوفی میدان اس کا پہلا اہم جز ہے۔اس میدان کو بہتر طریقے سے استعمال کے لیے بلوم اور اس کے رفقا نے 1956ء میں تعلیمی سرگرمیوں کے مقاصد کی درجہ بندی کے حصول کی خاطر وضع کیا۔وقوفی میدان کا تعلیمی مقاصد کی درجہ بندی میں سب سے زیادہ استعمال یا یوں کہا جائے کہ موثر استعمال ہوتا ہے۔ بلوم نے اس میدان کو ذہنی اعمال اور امور و پیچیدگی کے حوالے سے چھ سطحوں میں تقسیم کیا ہے۔(معلومات، تفہیم، اطلاق، تجزیہ، ترکیب، تعیّن قدر) ان چھ سطحوں کو بھی ذیلی تین سطحوں نچلی، درمیانی اور اعلیٰ سطح پر سمجھانے کی کوشش کی ہے۔سب سے نچلی یا ادنیٰ سطح میں حقائق، خصوصیات، اصول، اصطلاحات، رجحانات، مختلف درجات، معیار، اور کائنات کا علم ہے۔زبان میں الفاظ ان کی ترکیب، ترتیب، تجدید، (الفاظ کی تحلیل و ترکیب) اور معانی و ترجمہ آتا ہے۔درمیانی سطح پر حاصل شدہ علوم کی مختلف صورت حال پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔اور سائنسی و سماجی علوم میں ان کے عناصر، ترکیب اور تجربہ و تجزیہ شامل ہوتا ہے۔لیکن زبان و لسان کے علوم میں قواعد اور صرف و نحو سے تعلق رکھنے والے عناصر سے بحث کی جاتی ہے۔وقوفی میدان کے اعلیٰ سطح پر تجربہ، ترکیب، مخصوص علوم و فنون کا ادراک اور ایجاد، اختراع اور تخلیق کا عمل شامل ہوتا ہے۔اس میں مختلف منصوبے بنانا، اس کا جائزہ لینا، اندرونی و بیرونی شہادتوں اور مشاہدات کو یکجا کر کے تجزیہ و تشریح کرنا شامل ہوتا ہے۔

وقوفی میدان کے مذکورہ چھ ذیلی پہلوؤں کو درج ذیل طریقہ سے سمجھنا آسان ہوگا۔

I علم/معلومات (Knowledge)

علم وقوفی میدان کا سب سے پہلا مرحلہ ہے۔اس کے تحت حقائق، واقعات اور اصول وغیرہ یاد رکھنے اور انہیں پہچان کرنے کا عمل آتا ہے۔علم کے مقاصد میں مخصوص اشیا اور عمومی اشیا کی بازگیری (بازرسائی) کے علاوہ طریقہ کار عملی نمونہ اور ساخت کی بازگیری شامل ہے۔اس کے تحت اساتذہ طلبا کے لیے ان صورت حال کی منصوبہ بندی کرتے ہیں جن میں طلبا روایتی اشیا، درجہ بندی، معیارات اصول اور نظریات کی بازگیری (بازرسائی) اور پہچان کرتے ہیں۔اُردو میں اس کی مثال حروف/الفاظ کی شناخت (سن کر، بول کر، لکھ کر، صحیح تلفظ ادا کرنا، صحیح

ہجہ ادا کرنا، تلفظ اور املا کے ساتھ تذکیر و تانیث کو پہچاننا، صحیح و غلط جملہ کا ادراک کرنا) سے دی جاسکتی ہے۔

II تفہیم (Understanding)

طلبا جن علوم کو سیکھتے ہیں ان میں سمجھ بوجھ پیدا کرنا اور اپنی زبان میں اس کی توضیح وتشریح کر لینا تفہیم کہلاتا ہے۔ اس میں الفاظ مختلف معانی واستعمال، اشعار کی تشریح، تلمیحات کا ادراک، موضوع و مضامین کی تلخیص وتوضیح وغیرہ شامل ہیں۔ لسان و زبان کے قواعد کو سمجھنے کے لیے الفاظ ومعانی کا موازنہ، اسما وصفات میں فرق اور زمان ومکان کا فہم خاص ہے۔

III اطلاق (Application)

اطلاق کے تحت طالب علم حاصل شدہ علم وفہم، قواعد، کلیۂ مسائل اور مہارتوں کے ذریعہ انہیں بنیاد بنا کر یا ان کا استعمال کر کے نئے تجربات ومشاہدات، تبدیلیوں اور کلّیوں کے ذریعے نئی صورت حال سے نمٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس صورت حال اور اس سے ہونے والی تبدیلیوں کا ونئی مہارتوں کے اطلاق کا مشاہدہ طلبا کے کرداری تبدیلیوں سے کیا جاسکتا ہے۔

مثلاً: ہم معانی، ہم شکل اور مشابہہ آواز کے الفاظ، قواعد کی تعریفات، محاورے، ضرب الامثال اور تلمیحات کا استعمال واطلاق ابتدائی درجات کے طلبا کی تفہیم کو سمجھنے کے لیے عمومی طور پر معاون ہے۔ جبکہ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی جماعتوں میں اطلاق کے تئیں صرف ونحو کے دیگر قاعدے اور کلّیے مثلاً مرکب اور مفرد الفاظ کا تجزیہ، فقرے رموز واوقاف کا تعین صنعتیں اور مصرعے کی تقطیع کرنا وغیرہ۔

ہم معانی۔ جیسے: (فہم، ادراک)، (تشریح، توضیح)

ہم شکل۔ جیسے: (قفص، قفس)، (مُلک، مِلک)

مشابہ آواز الفاظ۔ جیسے (قابل، کابل)، (دانا، دانہ)

ضرب المثل۔ جیسے: اونٹ کے منھ میں زیرہ، گھر کی مرغی دال برابر

محاورہ۔ جیسے: دال میں کالا ہونا، لکیر کا فقیر ہونا

تلمیح۔ جیسے: ابن مریم، من وسلویٰ، یدِ بیضا

مرکب۔ جیسے: پازیب، رحمدل، پایۂ تخت، بوئے گل

مفرد۔ جیسے: پا+زیب، رحم+دل، پائے+تخت، بو+ گل)

فقرہ۔ جیسے: خدا کے واسطے ان کو گانٹھ باندھ لو

رموز واوقاف۔ جیسے: واہ رے واہ! کیا کمال کیا آپ نے؟

صنعت۔ جیسے: نازکی اسکے لب کی کیا کہیئے پنکھڑی ایک گلاب کی سی ہے

مصرعہ کی تقطیع۔ جیسے: تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

مذکورہ باتوں کے علاوہ طالب علم کا نظم ونثر کے فن پاروں کو پڑھنے کے بعد اس کے مرکزی خیال کا بیان اور اس فن پارہ کے تئیں مثبت و منفی رائے بھی اطلاق کے زمرے میں آتا ہے۔

IV تجزیہ (Analysis)

زبان میں (Analysis) تجزیہ کے تحت کسی نثری وشعری فن پارے کی خوبیوں اور خامیوں نیز اس سے ذہنوں پر قائم ہونے

والے تاثرات اوراس کی علمی ومعاشرتی پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ آتا ہے۔تجزیہ کے مثبت اورمنفی دونوں پہلو ہوسکتے ہیں۔تجزیہ میں بغور مطالعہ کے بعدواقعات اورتصورات کوالگ الگ کیا جاسکتا ہے یاان کے جزئیات کے آپسی تعلق کا جائزہ لیاجاسکتا ہے۔

V تالیف/ترکیب (Synthesis)

ترکیب (Synthesis) کے تحت طلبا کسی دی ہوئی صورت حال یامسائل سے انفرادی طور پر مخصوص طریقے سے نمٹنے کی کوشش کرتے ہیں' کسی کام کے لیے مفروضہ تیار کر کے کوئی نئی راہ عمل اختیار کرتے ہیں یا پھر کسی کام کے کرنے کے عام طریقوں سے ہٹ کر نئے انداز اور تحقیقی طرز عمل کے ذریعہ مسئلہ کا حل نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

VI تعین قدر (Evaluation)

تعین قدر میں مذکورہ پانچوں زمروں کے ذریعہ انجام دیے گئے اموروعوامل کا جائزہ لینا ہے۔تاہم ان اموروعوامل کی جھلک طلبا کے رویّے میں مثبت تبدیلی کے ذریعہ نظر آنی چاہیے جس کے معیارومقدار کی جانچ کی جاسکے اورمقاصد کے حصول کا اندازہ لگایا جاسکے۔

5.5.2 تاثراتی میدان (Affective Domain)

مقاصد تعلیم کا تاثراتی میدان' مقاصد کی درجہ بندی میں ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔یہ دلچسپیوں رویّوں' امداد' جانبداری' عقیدہ اوراس سے متعلق پائے جانے والے جذبات کا میدان ہے۔مقاصد کی درجہ بندی کے اس میدان کو بلوم اوراس کے دورفقا Kraths Wohl اور Masia نے 1964ء میں پہلی بار وضع کیا۔مقاصد کی درجہ بندی میں اس کی پیمائش یا اندازہ قدر بہت مشکل سے کیا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ناممکن ہوجاتا ہے۔اس لیے عمومی طور پر اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔اس میدان کا قریبی تعلق اوراہمیت وقوفی میدان سے ہے کیونکہ وقوفی میدان میں جب مقاصد معلومات سے اوپر کے درجات یا فیصلہ یا جائزہ تک پہنچتے ہیں تو رویہ میں تبدیلی آتی ہے اورافراد کو علمی توانائی کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے تبھی وہ اطلاق' تجزیہ اور جائزہ تک پہنچ پاتا ہے۔اسی لیے طلبا کے مضامین سے متعلق رویہ میں تبدیلی کے بغیر اعلیٰ درجہ کے خیالات کا تصور ممکن نہیں۔اس میدان میں بعض طلبا میں درکار مثبت رویے ہوتے ہیں تاہم سبھی طلبا سے مثبت رویہ کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مشکل ہوتا ہے اوراس میدان کے تحت مقاصد کی ٹھیک ٹھیک وضاحت ابھی تک نہیں ہوسکی ہے۔اس میدان میں اساتذہ کو اپنی توجہ اورتوانائی' درسی مواد کو نہایت دلچسپ بنا کر طلبا کے سامنے پیش کرنے کے لیے مرکوز کرنی چاہیے تاکہ طلبا کی توجہ مبذول کی جاسکے۔غیر دلچسپ موادومضمون پڑھنے پر طلبا کو مجبور کرنا وقت کی بربادی ہے اس سے مقاصد کی تکمیل ناممکن ہے اور جب تک مقصد حاصل نہ تو اس کا جائزہ یا اندازۂ قدر کس طرح لگایا جاسکتا ہے؟ اس لیے چاہیے کہ اساتذہ طلبا کی موجودہ (حاصل شدہ) معلومات سے بات شروع کریں اوراپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے نامعلوم کی طرف بڑھیں۔خود بھی گرم جوشی کا مظاہرہ کریں' اسباق کو دلچسپ بنائیں اورمضمون کی طرف بچوں کی دلچسپی کو برقرار رکھیں۔

تاثراتی میدان آسان سے مشکل کی طرف گامزن ہوتا ہے لیکن کردار کی خوبی اوراخلاقی حِس جو طلبا میں ہو اوراس کے کردار پر اثر انداز ہو پر زور دیا جاتا ہے۔مثلاً میرا ضمیر مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔اپنے کردار کے متعلق انسان کا اپنا احساس' میرا ضمیر صاف ہے' اس کے دل میں چور ہے۔اس میدان میں مقاصد جیسے دلچسپی' رویّہ' اقداری خوبی اور مجموعی جذبات شامل ہیں۔وقوفی

میدان کے مقاصد اور تاثراتی میدان کے مقاصد کے درمیان رشتہ پایا جاتا ہے۔ایک بار جب وقوفی میدان کے مقاصد طے ہو جاتے ہیں تو تاثراتی میدان کے مقاصد بھی طے کرنا آسان ہو جاتا ہے۔اس طرح جب طلبا کو مناسب اکتسابی تجربات کی فراہمی کی جاتی ہے تو تاثراتی کردار سازی ممکن ہو جاتی ہے۔تاثراتی میدان کے مقاصد کی ساخت درجہ بدرجہ ہے۔اول ایک طالب علم متعلقہ معلومات سے آگاہ ہوتا ہے یا حاصل کرتا ہے دوم مثبت جذبہ کے ساتھ ردعمل ظاہر کرتا ہے۔سوم اس کی قدر کرتا ہے۔ چہارم اس کا تصور قائم کرتا ہے۔پنجم اقدار کی مربوط تنظیم کاری کرتا ہے اور بالآخر اپنی زندگی کی کردار سازی کرتا ہے۔

تاثراتی میدان کے مختلف مرحلوں کی درجہ بندی مندرجہ ذیل ہے:

I حصول عمل (Receiving)

حِسّیاتی میدان میں حصولِ عمل تعلیمی تحصیل کی ادنیٰ ترین سطح ہے۔اس میں طالب علم کو ابتدائی تجربہ فراہم کیا جاتا ہے۔اس کا تعلق احساس، عمل اور شے کی رو سے طلبا کی توجہ ہے۔اس مرحلے میں طلبا متعلقہ معلومات حاصل کرتے اور آگاہی رکھتے ہیں۔دوسروں کی باتوں کو سننے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔اس مرحلے کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

پوچھنا، انتخاب کرنا، تشریح کرنا، جاننے کے بعد ردعمل کرنا، دینا، پکڑنا، پہچاننا، نشاندہی کرنا، موسوم کرنا، بتانا، بٹھانا، جواب دینا اور استعمال کرنا۔

II ردعمل (Responding)

اس مرحلے میں طلبا مضمون سے متعلق مختلف سرگرمیوں میں فعال حصہ لیتے ہیں۔طلبا توجہ دیتے ہیں اور دلچسپی کے ساتھ ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔لہٰذا اس مرحلہ میں مخصوص سرگرمیوں اور تدریسی عمل میں دلچسپی پیدا کرنا شامل ہے۔دلچسپی کو جاننے کا سب سے اچھا ذریعہ مشاہدہ ہے۔اس کا اندازہ مشاہدہ کر کے، بات چیت یا اس سے کوئی کام کرا کے مختلف مضامین کے درمیان لے رہے دلچسپی کا مشاہدہ کر کے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کی کچھ علامتیں مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں:

- ☆ کمرہ جماعت کے اندر طلبا کا زیادہ سے زیادہ سوالات پوچھنا۔
- ☆ اچھے ادب کا مطالعہ کرنا۔
- ☆ تحریر و تقریر کے مقابلوں میں پیش پیش رہ کر حصہ لینا۔
- ☆ خوبصورت اور واضح الفاظ کا استعمال کرنا۔
- ☆ اچھے قصّے، کہانیوں اور اشعار میں دلچسپی لینا۔

III قدر کرنا یا قدر افزائی (Valuing)

یہ تاثراتی میدان کا تیسرا مرحلہ ہے۔اس مرحلے میں طلبا میں سائنسی رجحان فروغ پاتا ہے جس سے وہ چند مخصوص اقدار کے پابند ہو جاتے ہیں۔تحصیلِ عمل اور ردعمل یا جواب دہی اس مقصد کے حصول میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔اس کا اظہار طالب علم کے رویے سے ہوتا ہے۔مثلاً طالب علم جمہوری عمل پر یقین رکھتا ہے، تہذیبی اختلاف کے برعکس اتحاد میں یقین رکھتا ہے وغیرہ۔

IV تصور قائم کرنا (Conceptualization)

تدریسی مقاصد تصورات قائم ہونے کے بعد ہی کرداری مقاصد کہلاتا ہے۔تدریسی مقاصد کے خصوصی کرداری ماحصلات، الفاظ،

جملہ، تذکیروتانیث کی شناخت، درست املا، ہجا کی پہچان وغیرہ کا واضح تصور قائم ہونا اس کے زمرے میں آتا ہے۔

V تنظیم کاری (Organization)

اس مرحلہ میں طالب علم مختلف اقدار کے درمیان موازنہ کر کے ترجیحات کی بنیاد پر ان کی تنظیم کرتا ہے اور مسائل کے حل کے لیے منظّم منصوبہ بندی کے رول کی وضاحت کرتا ہے، جو اس کے رویے کو بہتر بنانے میں مددگار رہو۔ تاثراتی میدان کے اس مرحلہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ فلسفہ زندگی اور اقدار کی تشکیل میں اس تعلیمی مقصد کا بہت ہی اہم رول ہے۔

VI کردارسازی (Characterization)

یہ تاثراتی میدان کا اہم ترین مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں اقدار اور رویّے کو عملی زندگی میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس میں مخصوص عقائد اور رجحانات پر مشتمل عادات واطوار پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مرحلہ تاثراتی میدان کے تقریباً سبھی مقاصد پر مشتمل ہوتا ہے۔

5.5.3 حسی۔حرکی میدان (Psychomotor Domain)

اُردو زبان کی تدریس میں حسی حرکی میدان کے مقاصد کو ہم زبان کی بنیادی مہارتوں کے سیکھنے میں استعمال کر سکتے ہیں۔ کیونکہ زبان کی بنیادی مہارتیں سننے، بولنے، پڑھنے اور لکھنے کا سیدھا تعلق حسی حرکی اعضا سے ہوتا ہے۔ اس میں صحیح بولنے کی مہارت مثلاً صحیح تلفظ اور معقول اندازِ گفتگو ہیں۔ اسی طرح پڑھنے میں زیر و بم کا خیال اور تلفظ کا خیال وغیرہ ہے۔ پھر لکھنے کی مہارتوں اور لکھاوٹ میں صفائی، حروف کی بناوٹ، اس کی مختلف شکلیں، الفاظ کی بناوٹ اور ترتیب وغیرہ کو مقاصد کے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مقاصد کی درجہ بندی کا یہ نظریہ 1969ء میں Simpson کے ذریعہ پہلی بار منظر عام پر آیا۔ اُردو زبان کی تدریس میں بلوم کی درجہ بندی کلیدی رول ادا کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے تربیت یافتہ اساتذہ اور بہتر تعلیمی وتجرباتی ماحول کی ضرورت ہے۔

نیز یہ کہ حسی حرکی میدان کا تعلق جسمانی یا طبعی حرکات، مہارت اور اس کی نشو ونما سے ہے۔ اس میں طالب علم کو حسی اعضا کے استعمال کی مہارت سکھائی جاتی ہے۔ تحریری اور زبانی امتحانات کا انحصار حسی حرکی مہارتوں یا خاصیتوں پر ہے۔ مثلاً لکھنے کی مشق، تفحص الفاظ اور تکمیلی جملے بولنا، اور بہتر لب ولہجہ وغیرہ۔

حسی حرکی میدان کے مختلف مرحلوں کی درجہ بندی مندرجہ ذیل ہے:

I تقلید رنقل کرنا (Imitation)

کسی چیز کا مشاہدہ کر کے نقل کرنا اور حواس خمسہ کے ذریعہ سے حرکت کرنے کے لیے رہنمائی حاصل کرنا اس زمرے کے تدریسی مقاصد میں شامل ہے۔ یہ مرحلہ سعی اور خطا کے افعال کی بنیاد پر کام کرتا ہے۔ مہارت کے حصول میں نقل کا بڑا اہم مقام ہے مثلاً:

- ☆ روایتی اقدار سیکھنا
- ☆ روایتی عادات واطوار کی معلومات
- ☆ درجہ بندی اور گروہ بندی کی معلومات
- ☆ آفاقی نظام اصول کی معلومات

II سلیقہ مندی(Manipulation)

اس مرحلہ میں ذہنی، طبعی اور جذباتی آمادگی شامل ہیں۔اس میں زبانی معلومات کی تعریف، تشریح، نشاندہی، بازیابی وغیرہ آتے ہیں۔کسی نظریہ یا معلومات کو سیکھنے کے بعد طلبا اس کی ترجمانی کریں اور صحیح سمت میں گامزن ہوں۔

III منضبط/ارتباط/قابو کرنا (Precision)

اس مرحلہ میں فرد ہدایات کے مطابق کام انجام دیتا ہے۔طلبا تجربہ کرنے اور مشاہدہ کرنے کے درمیان درست ہدایت کو اپنائیں۔ جس سے صحیح نتائج کا حصول ممکن ہو۔

IV ترتیل (Articulation)

مختلف کاموں کو ایک سلسلہ میں ترتیب دینا اور اندرونی تسلسل میں ہم آہنگی پیدا کرنا ترتیل یا Articulation کہلاتا ہے۔مثلاً ایسے سمعی بصری اسباق یا ویڈیو تیار کرنا جن میں آواز تصویری ڈراما، رنگ اور بہتر آہنگ کی آمیزش ہو۔

V فطرتی کردارسازی کرنا (Naturalization)

طلبا اس سطح پر پہنچنے پر اپنی سیکھی ہوئی مہارتوں کو اپنی فطرت ثانیہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔یعنی نئے حالات میں وہ ان مہارتوں کو خود اعتمادی کے ساتھ استعمال کرنے کے قابل ہوں گے۔حسی حرکی میدان کی یہ اعلیٰ سطح ہے جس میں مہارتیں طلبا کی فطرت کا حصہ بن جاتی ہیں۔

V عادت کی تشکیل کرنا (Habit Formation)

حسی حرکی میدان میں جب کوئی بچہ/طالب علم کسی بڑے کی یا اپنے اساتذہ کی تقلید کرتے ہوئے اس میں مہارت پیدا کر کے اسے اپنی عادت ثانیہ بنالیتا ہے اور اس کی وہ عادت یا مہارت اسی کی ذات سے وابستہ ہو جاتی ہے تو اسے عادت کی تشکیل یا Habit Formation کہتے ہیں۔زبان کی تدریس میں تحریر وتقریر سے اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں جیسے تقریر میں جسمانی اعضا کا استعمال یا اشاروں کی زبان کا استعمال اور تحریر میں حروف والفاظ کی بناوٹ وغیرہ۔

5.6 سبق کی منصوبہ بندی

بلاشبہ سائنسی، سماجی، ریاضی اور زبان وادب کے مضامین اپنی الگ الگ شناخت اور افادیت رکھتے ہیں۔اُن کی افادیت اور طریقہ تدریس کی بنا پر اُن کی منصوبہ بندی اور اشاراتِ سبق بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔تدریسِ زبان میں جن درسی پہلوؤں کا خیال رکھا جاتا ہے دیگر علوم کی تدریس میں اُن کی افادیت نہیں۔چنانچہ زبان وادب کی تدریس کے لیے منصوبہ سبق اور اشاراتِ سبق تیار کرتے وقت اُس سے متعلق مخصوص اُمور پر توجہ صرف کی جانی چاہیے۔

اُردو زبان کی تدریس میں بھی مختلف درجات اور مختلف اَصنافِ ادب کے لیے اُن کی ضروریات کے پیش نظر اشاراتِ سبق میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔مثلاً ابتدائی درجات کے منصوبہ سبق میں زیادہ توجہ زبان پر دینی چاہیے جبکہ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی جماعتوں میں اشاراتِ سبق تیار کرتے وقت بتدریج زبان سے زیادہ ادب پر توجہ دی جانی چاہیے۔عام طور سے اُردو کے منصوبہ سبق میں چار طرح کے اشاراتِ سبق تیار کیے جاتے ہیں۔نثر، نظم، قواعد اور اِنشا۔اِن چاروں طرح کے عنوانات کی تدریس کے لیے اساتذہ کو اپنی منصوبہ بندی میں ضرورت کے لحاظ سے

طریقہ تدریس واقدامات میں تبدیلی کرنی چاہیے کیونکہ ان میں ہر ایک کی تدریس کے مقاصد الگ الگ ہیں اور تفہیم کی نوعیت بھی، اس لیے اشاراتِ سبق بھی مختلف ہونے چاہئیں۔ ہماری درسی کتابوں میں نظم ونثر کے اسباق دیے ہوتے ہیں جبکہ اساتذہ کوان کی تفہیم میں پختگی لانے کے لیے اور اُن اصناف سے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے قواعد اور انشا کی تدریس ضروری ہوتی ہے۔ نثری اسباق کے لیے جو اشاراتِ سبق تیار کیے جاتے ہیں اُن کا پوری طرح اطلاق نظم کے اسباق پر نہیں ہوتا۔ بعینہٖ نظم کے لیے تیار کیے گئے اسباق نثر کی تفہیم کے لیے بہتر نہیں ہوں گے۔ ٹھیک اسی طرح نظم ونثر کے لیے تیار کیے گئے اِشاراتِ سبق قواعد اور انشا کی تدریس کے لیے کارآمد نہیں ہو سکتے۔ نثر کی تدریس کرتے وقت اساتذہ کو مختلف طرح کی توضیحات' تفصیلات اور تلمیحات کی وضاحت کرنی پڑتی ہے جبکہ نظم کے اسباق کی تدریس میں اُن تفصیلات سے زیادہ علامتوں اور تشبیہات واستعارات اور تحسین شعر کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی لیے وہ اُصول وضوابط جو نثری اسباق کے اشارات تیار کرتے وقت ذہن میں رکھے جاتے ہیں وہ نظم کے لیے کارآمد نہیں۔ یہی نہیں بلکہ نظم ونثر اور قواعد انشا کی تدریس کے طریقے میں نیز مہارتوں کے استعمال میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ منصوبہ سبق کا اور اس کے اشارات کے اصول بہت سے ماہرین تعلیم نے وضع کیے ہیں تاہم کوئی بھی اُصول اور طریقہ کار زبان کی تدریس میں حرف آخر نہیں۔ چنانچہ اساتذہ کو سبق' اصناف اور موقع محل کے لحاظ سے اُن میں تبدیلی کر لینی چاہیے لیکن تبدیلی کرتے وقت تعلیمی اور آموزشی اُصول کارفرما ہوں۔

جیسا کہ بتایا گیا کہ منصوبہ سبق کی تیاری تدریسی مقاصد کو سامنے رکھ کر کی جاتی ہے' اس لیے تمام اسباق کو مقاصد کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں' اُردو میں پہلا مقصد علمی اور معلوماتی ہوتا ہے جبکہ دوسرا مقصد لطف اندوزی اور سخن فہمی' حالانکہ دوسرے مضامین مثلاً سماجی علوم اور سائنسی علوم میں اس سے قدرے فرق پایا جاتا ہے' حالانکہ علمی اور معلوماتی مقصد کا زیادہ تعلق مطالعہ فطرت اور ماحولیاتی مشاہدات پر ہے' لیکن ان کا اطلاق زبان وادب کی تدریس میں بھی ہوتا ہے' کیونکہ درسی کتاب کی تدوین کے وقت جو اصول کارفرما ہوتا ہے وہ مختلف مضامین وعلوم کا عمودی وافقی ربط ہے۔ چنانچہ درسیات میں زبان اور دوسرے علوم کی تدریس کو پوری طرح الگ تصور نہیں کرنا چاہیے، اشارات سبق تیار کرتے وقت متعلم اساتذہ کو اور ان کے نگراں اساتذہ کو جن نکات پر اور اس کی تفہیم پر خاص خیال کرنا چاہیے ان میں درسی امدادی ذرائع' تمہید' اعلان سبق' پیش کش' رائٹنگ بورڈ اور گھر کا کام خاص ہیں۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ منصوبہ سبق کے اشارات کوئی مجرد شئے نہیں جو تبدیل نہ ہو سکے' بلکہ مضامین اور اصناف کے لحاظ سے ان نکات میں رد وبدل کی جا سکتی ہے۔ جہاں تک درسی یا تدریسی آلات' ساز وسامان یعنی ٹیچنگ ایڈس کے سامان کا تعلق ہے تو یہ مضمون' سبق' عنوان اور ذیلی عنوان کی مناسبت سے ہونا چاہیے اور ان کا استعمال اس سبق میں تدریس کے دوران موزوں اور مناسب وقت پر کیا جانا چاہیے۔ تدریسی امدادی ذرائع کا استعمال طلبا کے ذہن کو تدریس کی طرف مبذول کرانے اور سبق میں دلچسپی پیدا کرنے نیز سیکھنے میں تحریک پیدا کرتے ہیں۔ عام طور سے اس کے لیے چارٹ' تصاویر' نقشہ' ماڈل' اٹلس' رائٹنگ بورڈ' چاک' ڈسٹر وغیرہ شمار کیے جاتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑی ٹیچنگ ایڈ کا رول درسی کتاب ادا کرتی ہے۔ موجودہ زمانے میں سمعی وبصری ساز وسامان اور الکٹرانک اشیا جیسے کمپیوٹر وغیرہ بھی ٹیچنگ ایڈ ہیں۔ ان کا بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ امدادی تدریسی اشیا درس وتدریس کو موثر دلچسپ بناتی ہے' اور آموزش کو مستحکم کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ نیز اساتذہ کا وقت بچانے کے ساتھ ساتھ تقویت بھی فراہم کرتی ہے' یوں تو زبان کی تدریس میں معاون تدریسی ساز وسامان کا بہت زیادہ اطلاق نہیں' پھر بھی ابتدائی درجات میں اس کے موثر استعمال سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

سبق کی منصوبہ بندی کرتے وقت ہدف گروپ اور اس مضمون کے مقاصد کو ضرور سامنے رکھنا چاہیے کیونکہ بغیر اہداف اور مقاصد کے بہتر اکتساب کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مقاصد کے حصول کے لیے اور اہداف گروپ کی بہتر آموزش کے لیے مختلف طرح کی مہارتوں اور

حکمتِ عملیوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ درسی مقاصد کے حصول کے لیے جن تین نکات مقاصد پر توجہ دینی چاہیے وہ ہیں:

i) مہارت مرکوز مقاصد

ii) مواد مرکوز مقاصد

iii) استعداد مرکوز مقاصد

مذکورہ مقاصد کے تحت اساتذہ کو چاہیے کہ سبق کی ایسی منصوبہ بندی کریں جس کے دوررس نتائج سامنے آئیں۔ یعنی مہارت مرکوز منصوبہ بندی کا مقصد سبق کی تکمیل یا ان درجات کی تکمیل کے بعد بالخصوص زبان ولسان کے مضامین میں سننے، بولنے اور مافی الضمیر کے اظہار کرنے کی اچھی لیاقت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح مواد مرکوز منصوبہ سبق کا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ جس مواد مضمون رعنوان راصناف کے لیے منصوبہ تیار کیا گیا ہے ان پر طلبا کو عبور حاصل ہو جائے۔ یعنی ان مضامین یا مضمون کو پڑھنے، سمجھنے، ان سے سبق حاصل کرنے، لطف اندوز ہونے بالخصوص زبان کے مختلف اضاف کی خصوصیات وغیرہ سے واقفیت ہو جایے۔ اس سے نثر اور نظم کے مختلف پہلوؤں مثلاً تشبیہہ، استعارے، کنایے، تلمیحات، کردار اور شخصیات وغیرہ کی معقول جانکاری طلبا کو ہو جائے۔ نیز زبان کی تدریس میں استعداد مرکوز منصوبہ سبق کا مقصد طلبا میں زبان و بیان بالخصوص صرف ونحو کی لیاقت پیدا کرنا ہے اور اس کے ذریعہ دوسرے علوم کے اکتساب میں تیزی اور بہتری لانا ہے۔

سبق کی منصوبہ بندی

سبق کی منصوبہ بندی تدریسی امور کی انجام دہی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک استاد جتنی اچھی منصوبہ بندی کرتا ہے کمرہ جماعت میں خود اس کے طلبا کے لیے اتنے ہی بہتر اکتسابی عمل کا فروغ ہوتا ہے۔ منصوبہ سبق بہ یک وقت طلبا، اساتذہ اور تعلیمی مشیر وانتظامیہ سب کے لیے یکساں مفید ہے۔ منصوبہ سبق باقی دونوں منصوبوں سالانہ منصوبہ اور اکائی منصوبہ کا تکملہ ہے۔ گویا اگر منصوبہ سبق کی تیاری اور انجام دہی اچھی طرح نہ کی جائے تو نہ ہی اکائی منصوبہ کی تکمیل ہو سکتی ہے اور نہ سالانہ منصوبہ بندی کی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ پوری تعلیمی سرگرمیوں کا محور سبق کی منصوبہ بندی ہے۔ سبق کی منصوبہ بندی سے اساتذہ میں خود اعتمادی اور طلبہ میں انہماک پیدا ہوتا ہے نیز تدریس موثر ہوتی ہے اور کمرہ جماعت پُرسکون۔

عام طور سے سبق کی منصوبہ بندی میں تین مراحل کا استعمال پوری دنیا میں ہوتا ہے۔ جو ذیل کے اصولوں پر مبنی ہیں:

i) سبق کے مقاصد کا تعین

ii) موزوں طریقہ تدریس کا انتخاب

iii) تدریس زبان کی اہم مہارتوں کا انتخاب

مذکورہ نکات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اولاً استاد کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا پڑھانے جا رہا ہے؟ تدریس کا طریقہ کار اور حکمت عملی کیا ہوگی؟ پڑھائے جانے والے سبق کا مقصد کیا ہے؟ آج کل بہت سے تعلیمی تحقیقی اداروں میں مسائل پر مبنی (Issue Based) سبق تیار کرنے اور اس کا منصوبہ بنانے کا چلن عام ہو رہا ہے۔ ایسے اسباق کی منصوبہ بندی کے خاص مقاصد ہوتے ہیں۔ چنانچہ اساتذہ کو اسی طرح کی تدریسی سرگرمیوں کا انتخاب کرنا چاہیے جو مذکورہ مقاصد کی تکمیل میں معاون ہوں۔ ان سب کے علاوہ اسباق سے طلبہ کی ذہنی مطابقت، دلچسپی اور مفاہمت بھی لازم ہے۔

5.6.1 منصوبہ بندی کے مراحل؛

متعدد ماہرین تعلیم، ماہرین تعلیمی نفسیات اور محققین نے سبق کی منصوبہ بندی کے مراحل سے متعلق اپنے اپنے نظریات وخیالات پیش کیے ہیں۔زیادہ تر ممالک کے تعلیمی اداروں نے جان فریڈرک ہربارٹ (John Fredrich Herbart) کے مراحل کو اصولی طور پر تسلیم کیا ہے اوران کے پیش کردہ منصوبہ سبق کے چھ مراحل ہی کا استعمال منصوبہ سبق تیار کرنے میں کرتے ہیں۔یہ چھ مراحل ہیں:

(i تیاری (Preparation)

(ii پیش کش (Presentation)

(iii موازنہ (Comparision)

(iv تعمیم (Generalisation)

(v اطلاق (Application)

(vi اعادہ (Recapitulation)

5.6.2 مقاصد؛

تیاری یا تعارف اصل میں طلبا کو پڑھائے جانے والے مضامین اوران سے متعلقہ معلومات کا اندازہ ہے۔اس کے ذریعہ طلبہ کی ذہنی توجہ تدریس وسبق کی جانب مبذول کرنی ہوتی ہے۔مختلف مضامین، سطحوں اور درجات کے لحاظ سے اس کے کئی ذیلی عنوانات دیے جا سکتے ہیں۔مثلاً مقاصد، تمہید، سابقہ معلومات کی جانچ اور محرکہ وغیرہ۔

زبان کی تدریس کے لحاظ سے مقاصد کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے عمومی مقاصد اور خصوصی مقاصد۔جسے عام مقاصد اور خاص مقاصد بھی کہتے ہیں۔عمومی مقاصد عام طور سے اسی سبجیکٹ یا زبان کے لحاظ سے طے کیے جاتے ہیں۔یعنی کسی زبان یا مضمون کی تدریس کے مقاصد کیا ہیں؟ اس کی تدریس کے بعد طلبا کے علم میں کیا کیا اضافہ ہوگا؟ ان کی آموزش کے بعد اکتسابی عمل میں کتنی آسانی ہوگی؟ اور مجموعی طور پر کوئی طالب علم یا ہدف گروپ اس مضمون یا زبان سے کیا فائدہ حاصل کرے گا؟

خصوصی مقاصد عمومی مقاصد کی تکمیل کرتے ہوئے اس مخصوص سبق اور صنف کے درسی مقاصد کو طے کرتے ہیں یعنی خصوصی مقاصد کسی مخصوص درجے کے خاص اوقات (Period) میں پڑھائے جانے والے سبق پر مبنی ہونا چاہیے۔مثلاً نظم، نثر، قواعد اور انشا کی تدریس میں ان کے اسباق کے خصوصی مقاصد انہیں مخصوص مضمون پر مبنی ہونے چاہییں۔

5.6.3 تمہید یا تعارف؛

یوں تو تمہید طلبہ کو سبق کی طرف راغب کرنے کا ایک ذریعہ ہے لیکن عملی طور پر دوران تربیت معلم گھسے پٹے الفاظ اور طریقہ کار اپناتا ہے جبکہ چاہیے یہ کہ تمہید پر اثر ہو، پر لطف ہو، طلبہ کی ذہنی سطح سے میل کھاتی ہو، مضمون اور سبق کے اعتبار سے موزوں ہو اور حالات وواقعات کے لحاظ سے برمحل ہوتا کہ طلبا دلچسپی کا مظاہرہ کریں۔طلبا اپنے سابقہ ذہنی دائرہ سے نکل کر استاد اور سبق کی طرف مائل ہو جائیں اوران کا ذہن کلی

طور پر سبق کی طرف راغب ہو جائے۔

5.6.4 سابقہ معلومات کی جانچ؛

اس کے تحت طلبہ میں موجودہ علم وفہم کی جانچ کی جاتی ہے اور پڑھائے گئے اسباق یا دی گئی معلومات سے ان کی واقفیت' ناواقفیت' دلچسپی' عدم دلچسپی کی بھی جانچ کی جاتی ہے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ سابقہ معلومات کی جانچ اس طرح کریں کہ موجودہ سبق کی طرف طلبا کا ذہن خود بخود مبذول ہو جائے۔ اور طلبا سبق سے' طریقہ تدریس سے اور استاد کی شخصیت سے دلچسپی اور تجسس کا اظہار کریں۔ سابقہ معلومات کی جانچ چست' درست' برمحل اور دلچسپ تو ضرور ہو لیکن اس پر کم سے کم وقت صرف کیا جائے۔

5.6.5 محرکہ؛

محرکہ' تمہید اور سابقہ معلومات کی ہی ایک شکل ہے لیکن اس کا طریقہ کار تھوڑا الگ ہے۔ محرکہ خاص طور سے ابتدائی جماعت کے اولین درجات مثلاً اول' دوم اور سوم کے لیے زیادہ مفید اور کارآمد ہوتا ہے۔ جبکہ بعض مضامین میں چوتھے اور پانچویں درجے میں بھی محرکہ سے بہتر تدریسی مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ محرکہ صرف سوال پوچھنے کا اور جواب دینے کا نام نہیں بلکہ اس کا مقصد ان چھوٹے بچوں میں تحریک ذہنی اور تحریک نفسی پیدا کرنا ہے تاکہ وہ پڑھائے جانے والے سبق سے دلچسپی و انہماک کا مظاہرہ کریں۔ محرکہ کے لیے حسب ضرورت گانا' گیت' میوزک (موسیقی)' نظم' ڈرامہ' ڈائلاگ' تصاویر' تدریسی اشیا اور سمعی و بصری امداد (Audio-Visual Aids)' کا مضمون' سبق اور سطح کے لحاظ سے موزوں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

5.6.6 اعلان سبق؛

مذکورہ بالا حکمت عملیوں کا صرف اور صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ ان ذریعوں سے طلبہ کے ذہن کو سبق کی طرف مائل کیا جائے اور تدریس کا عمل بہتر ڈھنگ سے شروع ہو۔ نیز سبق کا مفہوم اور موضوع قریب قریب واضح ہو جائے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ جب مذکورہ حکمت عملیوں کے ذریعے طلبا تدریس کی جانب آمادہ ہو جائیں تو وہ تدریسی موضوع' سبق کا نام یا اصناف کا اعلان کرے کہ بچوں آج ہم فلاں کے متعلق مزید جانکاری حاصل کریں گے۔

5.6.7 پیش کش؛

پیش کش منصوبہ سبق کا اہم ترین مرحلہ ہے۔ بہتر آموزش و اکتساب کے لیے اس مرحلے میں مختلف مہارتوں اور حکمت عملیوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ طلبہ اور اساتذہ کا خصوصی طور سے اشتراک اور سرگرمی بہتر تدریس کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اس مرحلے کو اساتذہ کے لیے "لٹمس پیپر ٹسٹ" کہنا بیجا نہ ہوگا۔ پیش کش کے ضمن میں کئی ذیلی مرحلے آتے ہیں جن میں خاص طور سے طریقہ تدریس' مواد مضمون' بلند خوانی اور خاموش خوانی' تدریسی امدادی اشیا اور رولر بورڈ و تختہ سیاہ کا استعمال خاص ہیں۔

5.6.8 طریقۂ تدریس؛

مضامین کی ضرورت اور اسباق کی ندرت کے لحاظ سے طریقہ تدریس کا انتخاب کرنا چاہیے۔ گویا جس طرح کا سبق ہو اور جیسا ٹارگیٹ گروپ ہو اسی لحاظ سے طریقۂ تدریس کا استعمال موثر تدریس، موثر استاد کی کارکردگی اور موزوں اکتسابی عمل کے لیے درست ہے۔ مثال کے طور پر سائنسی اور سماجی علوم کے مضامین کے اسباق کے لیے جن مہارتوں اور حکمت عملیوں کا استعمال کیا جائے گا ضروری نہیں کہ زبان کے مضمون یا اس کی مختلف اصناف (نظم، نثر، قواعد، انشا) کے لیے بھی موزوں ہوں۔ اس لیے مضامین اور اسباق کو ذہن میں رکھ کر طریقہ تدریس کی حکمت عملی طے کرنی چاہیے۔

5.6.9 موادِ مضمون (متن)؛

کمرہ جماعت میں ایک تربیت یافتہ استاد موادِ مضمون کو دلچسپ بنا کر پیش کرتا ہے۔ مضامین اور اسباق کی موزونیت کا لحاظ رکھتے ہوئے موادِ مضمون کو آسان اور ترتیب وار طلبا کے سامنے رکھنا چاہیے۔ طلبا کی ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے موادِ مضمون کی تشریح و توضیح یا خلاصہ بیان کرنا چاہیے۔ سائنسی اور سماجی علوم کے اسباق میں معلومات و تجزیہ پر زور دینا چاہیے جب کہ زبان کے اسباق میں املا، ہجّا، لہجہ، سخن فہمی، تشبیہ، استعارے، تلمیحات، ضرب المثل، محاورے اور الفاظ و معنی پر زیادہ زور دیا جانا چاہیے۔ اسی لیے زبان کے اسباق میں بلند خوانی اور خاموش خوانی کا مرحلہ بھی آتا ہے تا کہ یہ پتہ لگایا جاسکے کہ بچوں میں پڑھنے کی صلاحیت کتنی پختہ ہے۔

5.6.10 بلند خوانی؛

زبان کی تدریس میں بلند خوانی کے بغیر یہ پتہ لگانا مشکل ہے کہ طلبا کو عبارت پڑھنے کا سلیقہ ہے کہ نہیں اور کمرہ جماعت میں کتنے طلبا سبق کی عبارت کو صحیح طریقے سے املا اور ہجّا کو ملحوظ رکھتے ہوئے پڑھ سکتے ہیں۔ بلند خوانی اساتذہ اور طلبا دونوں کی جانب سے ہونی چاہیے۔ بلند خوانی کو عبارت خوانی اور نمونے کی بلند خوانی بھی کہا جاتا ہے۔ نظم کے اسباق میں اساتذہ کی جانب سے پہلے بلند خوانی ہونی چاہیے۔ جبکہ نثری اسباق میں بہتر ہے کہ طلبا پہلے بلند خوانی کریں۔ بلند خوانی معتدل آواز میں ہونی چاہیے۔ اساتذہ کو بلند خوانی کے دوران یہ خیال رکھنا چاہیے کہ صرف مخصوص طالب علم ہی نہیں بلکہ سبھی طلبا کو بلند خوانی کا موقع فراہم کیا جائے۔ انشا اور قواعد کے اسباق میں بلند خوانی کی ضرورت نہیں۔

5.6.11 خاموش مطالعہ؛

حالانکہ خاموش خوانی / خاموش مطالعہ کا مرحلہ سبق میں اعادہ سے قبل آتا ہے لیکن پیش کش کے زمرے میں بھی اس کی اہمیت مسلّم ہے۔ ابتدائی تعلیم کے اولین درجات (اول تا پنجم) میں خاموش خوانی کی بہت زیادہ افادیت نہیں لیکن چھٹی سے بارہویں درجات کی تدریس میں خاموش خوانی کی اہمیت مسلّم ہے۔ خاموش خوانی کے لیے پانچ سے سات یا زیادہ سے زیادہ دس منٹ کا وقفہ دیا جانا چاہیے اور استاد یہ ہدایت دے کہ بغیر لب کھولے یا آواز نکالے صرف آنکھوں سے عبارت خوانی کی جائے۔ اس سے طلبہ میں مطالعے کی عادت کا فروغ ہوتا ہے۔

5.6.12 رائٹنگ بورڈ اور تدریسی امدادی اشیا کا استعمال؛

موجودہ زمانے میں تختہ سیاہ کا تصور کم ہونے لگا ہے۔ اب تختہ سیاہ سے مراد تختہ سبز اور تختہ سفید (رائٹنگ بورڈ) بھی ہے۔ طلبہ کی نفسیات اور بینائی کی افادیت کے پیش نظر اچھے تعلیمی اداروں میں گہرے ہرے رنگ کے چاک بورڈ اور سفید مارکر بورڈ کا استعمال ہونے لگا ہے۔ اس کا استعمال طلبہ اور اساتذہ کے ذہن' بینائی اور صحت کے لحاظ سے 'ماحول دوست' ہے۔ رائٹنگ بورڈ کا استعمال زبان کی تدریس میں بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے بغیر زبان کی تدریس مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ پیش کش کے دوران اساتذہ مشکل الفاظ' محاورے' فقرے اور اہم نکات لکھتے جاتے ہیں۔ اخذ معنیٰ' جملے کی ساخت اور موزوں رموز و اوقاف بھی رائٹنگ بورڈ کے ذریعے عیاں ہونا چاہیے۔

کسی بھی درسی مضمون کو مزید موثر بنانے اور تدریسی عمل کو تقویت پہنچانے کے لیے تدریسی اشیا/تدریسی معاونت/درسی ساز وسامان یا تدریسی امدادی سامان کا موزوں استعمال ضروری ہے۔ تدریسی ساز وسامان کا برمحل اور محتاط استعمال تدریس کو بہتر بنانے میں معاون ہوتا ہے۔ سبق اور اس میں استعمال کی جانے والی مہارت کے اعتبار سے تدریسی ساز وسامان کا استعمال کیا جانا چاہیے۔ اساتذہ کو کوشش کرنی چاہیے کہ Waste Material یعنی فاضل اشیا' سستے اور تعلیمی کام کے لیے موزوں اشیا اور اپنے اردگرد کے ماحول سے دستیاب چیزوں سے تیار کی گئی Teaching Aids یعنی تدریسی ساز وسامان کا استعمال کریں۔ تدریسی ساز وسامان میں چارٹ' فلش کارڈ' نقشے' گلوب' تصاویر' ماڈل' کارٹون' چاک' ڈسٹر' پوائنٹر' تختہ سیاہ' وغیرہ آتے ہیں۔ دور جدید کے تعلیمی امدادی سامانوں میں سمعی و بصری معاونت سے تعلق رکھنے والی تدریسی اشیا استعمال کی جاتی ہیں مثلاً ریڈیو' ٹیلی ویژن' ٹیپ رکارڈر' ٹیلی فلمیں' دستاویزی فلمیں' سلائڈس' سلائڈ پروجیکٹر' کمپیوٹر اور پاور پروجیکٹر وغیرہ۔ زبان کی تدریس میں ان کے اسباق کے لحاظ سے مذکورہ تدریسی ساز وسامان میں سے انتخاب کرنا چاہیے۔

5.6.13 جائزہ/موازنہ؛

منصوبہ سبق کے اس مرحلے میں طلبہ کو سبق کی دشواریوں کو سمجھانے کے لیے چند مثالیں دی جاتی ہیں جن سے طلبہ مثالیں اور حقائق کا موازنہ کرتے ہیں' ان پر غور کرتے ہیں اور نتائج اخذ کرتے ہیں۔ عام طور سے اس مرحلے کا استعمال زبان کے اسباق یا اشارات سبق میں نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا خصوصی تعلق' سماجی سائنسی اور تکنیکی علوم کے اسباق سے ہے۔ موجودہ زمانے میں زبان کی درسی کتابوں میں ماحولیات اور مختلف مسائل پر مبنی اسباق شامل کیے جا رہے ہیں ان اسباق کو سمجھانے میں اس مرحلے کی بہت حد تک افادیت ہے۔

5.6.14 تعمیم؛

سبق کے اس مرحلے میں اساتذہ کے ذریعے پیش کش کے تحت دی گئی معلومات اور تجربوں سے حاصل شدہ حقائق کو منظّم کرنا ہوتا ہے جس سے معلومات میں ربط پیدا ہوتا ہے اور قاعدوں اور ضابطوں کے ربط سے طلبا علمی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق خصوصی طور پر سائنس اور ریاضی کے اسباق میں ہوتا ہے۔ لیکن زبان کے اسباق میں قواعد وانشا کی تدریس کے وقت اس سے مدد لی جا سکتی ہے اور طلبہ میں حاصل شدہ قاعدوں' ضابطوں اور نظریوں کو مبسوط کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً بہتر انشا اور املا کے لیے صرف ونحو کا جاننا اور ان کا آپس میں ارتباط ضروری ہے۔ جبکہ صحیح زبان جاننے کے لیے صرف ونحو کا جاننا ضروری ہے۔

5.6.15 اطلاق؛

اطلاق کے مرحلے میں طلبا حاصل شدہ معلومات اور تربیت کومختلف مواقع اور متعدد طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔یعنی درجے میں اسباق اور اساتذہ کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات اور علوم کو وہ اپنے علمی، ادبی اور مہارتی امور کے لیے تو استعمال کرتے ہی ہیں، اُن علوم کا استعمال معاشرے میں اور اپنی نجی زندگی میں بھی کرتے ہیں مثلاً زبان دانی کی تدریس میں تذکیر، تانیث، واحد، جمع، افعال، صفات، اسماوضمائر اور دیگر شعری صنعتوں کا استعمال تعلیمی کاموں کے ساتھ ساتھ روزانہ زندگی اور اپنی طرز تحریر میں بھی کرتے ہیں۔اطلاق کے اثر کا اندازہ کسی طالب علم کی شخصیت اور درجہ میں جواب دہی سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔اطلاق کی کامیابی علوم وفنون کا طلبا کے ذہن ودل میں راسخ کر جانا ہے۔حالانکہ اس کا زیادہ استعمال مشکل مضامین مثلاً ریاضی اور سائنس میں ہوتا ہے لیکن زبان کی تدریس میں قواعد وانشا میں اس کا موزوں استعمال کرنا چاہیے۔

5.6.16 اعادہ؛

کمرہ جماعت میں اعادہ کا مرحلہ استاد کے طرز تدریس، تدریسی حکمت عملی اور مہارتوں کے استعمال اور طلبا میں اکتسابی عمل کی فوری جانچ ہے۔اس مرحلے میں سبق کے اختتام پر اساتذہ سبق سے متعلق طلبا سے متعدد چھوٹے بڑے سوالات کرتے ہیں۔مقصد صاف ہوتا ہے کہ پڑھائے گئے مضمون/متون کو طلبا نے کس حد تک سمجھا؟ دوسرے لفظوں میں اسے طلبا کے فہم وادراک اور اساتذہ کے تدریسی طریقہ کار کی جانچ سمجھنا چاہیے۔اعادہ کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ دوران تدریس اساتذہ سے کوئی درسی نکتہ چھوٹ جائے تو وہ اس کا اس مرحلے میں اعادہ کرلیں۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اعادہ پڑھائے گئے سبق کے تئیں طلبا اور اساتذہ دونوں کی کارکردگی کا اندازہ لگا کر سبق کو طلبا کے ذہنوں میں پختہ کرنا ہے۔

5.6.17 تفویض کار یا گھر کا کام؛

گھر کا کام منصوبہ سبق کے مراحل کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔پھر بھی کمرہ جماعت اور تدریسی عمل میں اس کی اہمیت مسلّم ہے۔اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا پڑھے ہوئے سبق کو گھر جا کر دوبارہ پڑھتے ہیں۔اس سے ان کی جانکاری پختہ ہو جاتی ہے۔اس سے اگلے سبق کی تدریس میں طلبا اور اساتذہ دونوں کو مدد ملتی ہے۔گھر کا کام دیتے وقت اساتذہ طلبا کی دلچسپی، معلومات وتجربات اور اختصار کا خیال رکھیں۔گھر کے کام کا انحصار مضامین، اسباق اور طریقہ تدریس کی نوعیت پر منحصر ہے۔گھر کا کام، کے تصور کو بوجھ نہیں سمجھنا چاہیے۔اسی لیے سوالات چھوٹے اور مختصر جوابی سوالات دیے جائیں۔اس مرحلے کی افادیت تب ہے جبکہ اساتذہ ہوم ورک کو دوسرے دن چیک کر کے تصحیح کریں اور طلبا کی حوصلہ افزائی کریں۔

5.7 خرد تدریس (Micro Teaching)

تعلیم وتربیت ایک مسلسل عمل ہے لیکن یہ مسلسل عمل ترتیب وار اور قلیل سے طویل کی طرف، خرد سے وسیع کی طرف اور کم معلوم سے

زیادہ معلوم کی طرف بتدریج جاری رہے تو اچھے نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔کسی کام کو احسن طریقہ سے انجام دینے کے لیے بہتر منصوبہ بندی (Planning) کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ تدریسی امور کی انجام دہی میں بھی منصوبہ بندی کی خاص اہمیت ہے۔تدریسی عمل کو مزید بہتر' کار آمد اور قدرے آسان بنانے کے لیے تعلیمی منصوبہ بندی کی جاتی ہے جس میں سالانہ منصوبہ بندی (yearly plan) اکائی منصوبہ بندی(unit plan) اور منصوبہ سبق (lesson plan) شامل ہیں۔lesson plan کی بہتر عمل آوری کے لیے مائیکرو منصوبہ سبق کی ضرورت پڑتی ہے۔مشقی تدریس میں متعلم استاد کو بہت سے مشاہدات کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ ان مشاہدوں کے ذریعے اپنی عملی،علمی اور مشقی خامیوں اور دشواریوں کا اندازہ کر کے ان پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔مائیکرو ٹیچنگ یا خرد تدریسی اسباق کے ذریعے مذکورہ عمل کو بہتر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

انگریزی لفظ مائیکرو(Micro) یونانی زبان سے لیا گیا ہے جس کے لغوی معنی نہایت چھوٹا یا خرد ہوتا ہے۔(بعض لوگ اسی ''خرد'' کو ''خورد'' لکھ جاتے ہیں جو صحیح املا نہیں ہے) خرد تدریس(Micro Teaching) کا تصور تعلیمی میدان میں بہت پرانا نہیں ہے لیکن اب تقریباً ہر سطح کے اساتذہ کی تربیت میں استعمال کی جاتی ہے ۔اس تدریس کے ذریعے متعلم استاد کو اصلی تدریسی مشق (Actual teaching practice) سے قبل مختلف مہارتوں کی تربیت اور طریقہ استعمال''Micro Teaching'' کے ذریعہ فراہم کرایا جاتا ہے۔مائکرو ٹیچنگ کا استعمال سب سے پہلے امریکہ میں Stanford University کے ذریعہ 1963ء میں کیا گیا۔اور اس کے بعد تدریس ہی نہیں زندگی کے کئی شعبوں میں بھی اس کا استعمال کیا جانے لگا۔

یوں تو مائیکرو ٹیچنگ یا خرد تدریس کی تعریف بہت سے ماہرین تعلیم نے کی ہے تاہم چند ماہرین تعلیم نے مختصر مگر جامع تعریف پیش کی ہے جن میں D. W. Allen ‘B. K . Passi and M. S. Lalita ‘ Ajit Singh and N. K. Jangira کی تعریف اساتذہ کی تدریس کے لیے ہندوستانی پس منظر میں نہایت موزوں ہے۔

*Micro-Teaching is a scaled down teaching encounter in class size and time. D. W. Allen (1966)

*Micro-Teaching is a training technique which requires student, teachers to teach a single concept using specified teaching skill to a small number of pupils in a short duration of time. B. K. Passi and M. S. Lalita (1976)

*Micro-Teaching is a training setting for the student teacher where complexities of the normal class room teaching are reduced by practising one component skill at a time, limiting the content to a single concept, reducing the size to 10 - 15 pupils and reducing the duration of lesson to 5 - 10 minutes. N. K. Jangira and Ajit Singh (1982)

ہندوستان میں کئی اداروں اور سطحوں پر اس تدریسی تکنیک کا استعمال پچھلی صدی کی ساتویں دہائی سے کیا جا رہا ہے اس تدریسی تکنیک

کوتدریس میں ایک آلہ کار کی طرح استعمال کیا جاتا ہے جس میں سمعی بصری آلات Tape recorder, CCTV, (Audio-Visual Aids) کے ذریعے اس کو مزید تقویت پہنچائی جاتی ہے۔ ہندوستان میں اسکولی تعلیم اور اساتذہ کی تربیت کے فروغ کے ضمن میں مزید تحقیق کرنے کے لیے 'NCERT' کا قیام عمل میں آیا تھا۔ 'NCERT' نے مائیکرو ٹیچنگ کے ضمن میں کئی رہنما اصول (گائیڈ لائن) فراہم کیے ہیں۔ یہ گائیڈ لائن ہمارے ملک میں موجودہ تعلیمی و تربیتی اداروں کی صورت حال اور ان کے انفراا سٹرکچر کے عین مطابق ہے۔ 'NCERT' نے اس صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے مائیکرو ٹیچنگ کے ضمن میں جن نکات کا ذکر کیا ہے ان میں ہندوستانی خرد تدریس ماڈل میں تکنیک اور الیکٹرانک سامان پر حتی الامکان کم انحصار کیا جائے۔ ادارے میں دستیاب بنیادی ڈھانچہ مثلاً جگہ، تدریسی مواد اور تدریسی ساز وسامان کو خرد تدریس کے تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔

1 خرد تدریس کے دوران اگر مطلوبہ درجات کے طلبا میسر نہ ہوں تو ان کی جگہ پر متعلم اساتذہ کا ہی استعمال کیا جائے۔

2 خرد تدریس کے ماڈل lesson کے دوران مشاہدین (observers) مقرر کیے جائیں۔ ان مشاہدین میں متعلم اساتذہ کو بھی رکھا جاسکتا ہے جو اپنے ساتھیوں کی کارکردگی کا مشاہدہ کریں اور ان کا ریکارڈ تیار کرکے feedback دے سکیں۔

3 ہمارے ملک میں خرد تدریس کا ماڈل لچک دار ہے اس لیے جہاں اور جن اداروں میں جیسی سہولیات دستیاب ہوں وہاں اسی طرح سے خرد تدریس کو کام عمل میں لایا جائے۔ یوں تو خرد تدریس کا مکمل عمل ''35'' سے ''50'' منٹ کے وقفے پر رکھا جاتا ہے لیکن ''NCERT'' کے مطابق اس کا وقفہ دورانیہ 36 منٹ کی سائیکل پر ترتیب دیا گیا ہے۔

(1	منصوبہ (Plan) 6 منٹ	(2	تدریس (teach) 6 منٹ
(3	بازرسانی (Feed back) 6 منٹ	(4	مکرر منصوبہ (re plan) 6 منٹ
(5	مکرر تدریس (re teach) 6 منٹ	(6	مکرر بازرسانی (re feedback) 6 منٹ کل وقفہ/ دورانیہ 36 منٹ

مائیکرو ٹیچنگ سائیکل

خرد تدریس کی منصوبہ بندی کے بعد اس کے مقاصد کے حصول کے لیے جو اقدامات کیے جاتے ہیں ان میں متعلم استاد کو دوران تدریس پیش آنے والی مشکلات کو اس کے ذریعے کم کرنا۔

متعلم استاد کی تدریسی خامیوں کو پہچان کر معلوماتی ردعمل کے ذریعے اس کے طرز تدریس کو مفید بنانا۔

اور متعلم استاد کے طریقہ تدریس کو ہدایتی طرز عمل اور نگرانی و مشاورت کے ذریعے بہتر بنانا شامل ہے۔

مذکورہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے خرد تدریس کی مندرجہ ذیل خصوصیات کا سہارا لیا جاتا ہے۔

5.7.1 خرد تدریس کی خصوصیت؛

1۔ خرد تدریس متعلم استاد کے لیے ایک تربیتی تکنیک ہے تدریسی طریقہ کار نہیں۔

2۔ خرد تدریس حقیقی تدریس کی ایک شکل ہے اور اس کو تقویت پہنچاتی ہے جبکہ اس کے لیے جو صورت حال (situation) بنائی جاتی

ہے وہ عام طور سے فرضی ہوتی ہے۔

3۔ خرد تدریس میں متعلم استاد کو اس وقت تک ایک ہی مہارت کا اعادہ کرنا چاہیے جب تک اس کے استعمال میں وہ پختہ کار نہ ہو جائے۔

4۔ خرد تدریس حقیقی تدریس کی پیش رو تکنیک ہے یعنی اس میں طلبا، وقت اور مواد کی ایک قلیل سطح رکھ کر تدریس کی کسی ایک مہارت کے تصور کو بہتر ڈھنگ سے استعمال کرنے کی مشق کی جاتی ہے۔

5۔ خرد تدریس کی مشق طے شدہ ماڈل (جس کا اوپر ذکر کیا گیا) کے تحت ہوتی ہے مثلاً منصوبہ بندی، تدریس، feedback دوبارہ منصوبہ بندی۔ دوبارہ تدریس اور re feedback

6۔ خرد تدریس حقیقی تدریس کا متبادل نہیں ہے بلکہ اساتذہ کے تربیتی پروگرام کا لازمی جز ہے۔

7۔ خرد تدریس متعلم استاد کو تعلیمی و تدریسی مسائل سے آگاہ کرتی ہے اور ان کا حل تلاش کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

8۔ خرد تدریس میں سمعی و بصری آلات (audio visual aids) نیز cctv کی مدد سے مشاہدہ بالکل بے عیب (perfect) ہوتا ہے۔

9۔ خرد تدریس کے ذریعے متعلم استاد تدریسی مشق کے بعد مشاہدین کے ذریعے Feedback حاصل کرتا ہے۔ خرد تدریس کی مکمل کامیابی کے لیے ذیل کے مراحل سے گزرنا نہایت ضروری ہے۔

خرد تدریس کے مقاصد کے حصول اور ان کے مراحل کی کامیابی خرد تدریس کے مشقی اسباق کے ذریعے استعمال کی جانے والی مہارتوں کے بہتر استعمال میں مضمر ہے۔ طریقہ تدریس کے جدید تقاضوں اور اس زمرے میں ہونے والی تحقیقات کی روشنی میں خرد تدریس کی مشق میں متعدد مہارتیں استعمال کی جانے لگی ہیں لیکن ان سبھی طرح کی مہارتوں کا بخوبی استعمال زبان و ادب کی تدریس میں مشکل ہے لہٰذا یہاں ان ہی چند مہارتوں (skills) کا ذکر کیا جائے گا جن کا زیادہ سے زیادہ اور بہتر استعمال اردو زبان کی تدریس میں خرد تدریس کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

1) تمہید کی مہارت(skill of introduction)

2) سوالات کی مہارت(skill of questioning)

3) تشریح و توضیح کی مہارت(skill of explaining)

4) تکمیلی ترسیل کی مہارت(skill of completeness of communication)

5) سمعی و بصری آلات کی مہارت(skill of audio visual aids)

6) تختہ سیاہ کی مہارت(skill of black board)

7) مہیج کی مہارت(skill of stimulus variation)

8) تقویت کی مہارت(skill of reinforcement)

9) تفویضات کی مہارت(skill of assignment)

10) مظاہراتی مہارت(skill of lecturing)

عزیز طلبا جیسا کہ اب تک آپ نے مائیکرو ٹیچنگ کے مقاصد طریقہ کار اور ضرورت کا مطالعہ کیا۔ بتایا جا چکا ہے کہ خرد تدریس اپنے آپ میں ایک تدریسی مرحلہ ہے۔ لیکن یہ مرحلہ اصل مشق کی تدریس کے مرحلہ سے الگ اور مختلف ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ پہلے خرد تدریس کے طریقہ کار کے بعد اس کے منصوبے کا نمونہ (ماڈل لیسن پلان) سے آپ متعارف کرایا جائے۔ یوں تو بہت سی مہارتوں کے الگ الگ استعمال کے لیے لیسن پلان تیار کیا جاتا ہے۔ لیکن اگلے صفحات میں اردو زبان و ادب کی مشقی تدریس میں زیادہ استعمال ہونے والی مہارتوں، تمہیدی گفتگو، سوال پوچھنا، تشریح و توضیح، شعوری تحریک کا تنوع اور تقویت کی مہارت کے ماڈل لیسن کا خاکہ دیا گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ سبھی درجات اور عنوانات کے لیے یکساں مفید ہوں۔ لیکن آپ کو ان سے کافی مدد ملے گی۔

5.7.2 خرد تدریس کا منصوبہ سبق (ماڈل لیسن پلان)

منصوبہ سبق نمبر- 1

ماڈل منصوبہ سبق برائے خرد تدریس۔ مہارت تمہیدی گفتگو

Skill of Introduction

متعلم استاد کا نام	:	اب ج د	تاریخ	:	00.00.00
ادارہ	:	شعبہ تعلیم و تربیت	جماعت	:	نویں
مضمون	:	اُردو	وقفہ	:	6 منٹ
عنوان	:	نثر	ذیلی عنوان	:	خطوطِ غالبؔ

متعلم استاد کی سرگرمیاں	طلبا کی سرگرمیاں	تکنیک رمہارت کے استعمال شدہ عناصر
غالبؔ اُردو، زبان کا بے حد معروف و مقبول شاعر اور ادیب ہے۔	سَر۔ کیا غالبؔ شاعر کے ساتھ ساتھ ادیب بھی تھے؟	
ہاں بچوّ! اُردو ادب میں کئی ایسی شخصیتیں ہیں جو بیک وقت شاعر بھی ہیں اور نثر نگار بھی۔ اُن ہی میں ایک اہم شخصیت مرزا غالبؔ کی بھی ہے۔ مرزا غالبؔ کئی تخلص و القاب سے یاد کیے جاتے ہیں، مثلاً اسداللہ، مرزا نوشہ، غالبؔ، دبیرالملک وغیرہ۔	جناب۔ یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن ہم نے تو مرزا غالبؔ کی صرف غزلیں ہی پڑھی ہیں۔	غالبؔ کی تصویر دکھائی جائے

کیا آپ لوگوں نے مرزا غالب کی حیات پر مبنی سیریل ''مرزا غالبؔ'' دیکھی ہے؟	جی سر۔ وہ نصیر الدین شاہ والی۔	
ہاں ہاں! وہی کیا آپ نہیں جانتے کہ غالبؔ سے پہلے بلکہ اُن کے ہمعصروں نے بھی اُردو نثر لکھنا یا اُردو میں خط لکھنا اپنی توہین سمجھا جب کہ غالبؔ نے خطوط نگاری کے فن کا بہترین نمونہ پیش کیا جس کا جواب آج بھی نہیں۔	سر۔ آخر ان کی خطوط نگاری میں کیا خوبی تھی۔	سلائیڈ پروجکٹر یا L.C.D کے ذریعے نصیر الدین شاہ والا سیریل Serial ''مرزا غالب'' کا Title Page یا پوسٹر دکھایا جائے۔
لیجیے اُن ہی کی زبان میں سنیئے کہتے ہیں ''میں نے مراسلے کو مکالمہ بنادیا ہے''۔ یعنی انہوں نے ایسے خطوط لکھے ہیں جیسے کہ اپنے مخاطب سے بات کر رہے ہوں۔	سر۔ یہ تو بہت بڑی خوبی ہے۔ اُن کے خطوط تو مزے دار ہوں گے۔	
چلیے تو آج ہم مرزا غالبؔ کے ایک خط کا مطالعہ کرتے ہیں	جی سر!	غالبؔ کا خط میر مہدی مجروح کے نام

منصوبہ سبق نمبر۔ 2

ماڈل منصوبہ سبق برائے خرد تدریس۔ مہارت سوال پوچھنا

Skill of Questioning

متعلم استاد کا نام : اب ج د — تاریخ : 00.00.00

ادارہ : شعبہ تعلیم و تربیت — جماعت : آٹھویں

مضمون : اُردو — وقفہ : 6 منٹ

عنوان : نظم — ذیلی عنوان : ''آدمی نامہ''

متعلم استاد کی سرگرمیاں	طلبا کی سرگرمیاں	تکنیک/مہارت کے استعمال شدہ عناصر
بچّو! اب تک آپ نے اپنی درسی کتاب کی کتنی نظمیں پڑھی ہیں؟	جناب، تین نظمیں۔	
آپ کو یاد ہیں کہ وہ نظمیں کن شعرا کی ہیں؟	پہلا بچّہ: سر! علامہ اقبال دوسرا بچّہ: سر! سکندر علی وجد تیسرا بچّہ: سر! تلوک چند محروم	تینوں شعرا کی تصویریں دکھائی جائیں گی

کیا آپ جانتے ہیں کہ ان نظم نگاروں سے پہلے بھی کوئی نظم نگار شاعر گزرا ہے؟	نہیں سر۔	
اچھا یہ بتاؤ نظم ''آدمی نامہ'' کس نے لکھی ہے؟	سر! نظیر اکبرآبادی نے	نظیر اکبرآبادی کی تصویر لگائی جائے گی
نظم ''آدمی نامہ'' میں شاعر نے آدمی کی کن خوبیوں کا ذکر کیا ہے؟	نہیں سر۔ ہمیں سب معلوم نہیں۔	
اچھا یہ بتاؤ رتبہ کے لحاظ سے آدمی کتنے طرح کے ہوتے ہیں؟ دولت مند لوگ بھی تو ہوتے ہیں؟ اس کے علاوہ کئی پیشے کے لوگ بھی تو ہوتے ہیں؟ ہاں ہاں اسی طرح نظیر نے انسانوں کی اور کتنی قسمیں بتائی ہیں؟	دو طرح کے۔ بادشاہ اور غلام۔ محمودؔ ایاز ہاں سر! جیسے امبانی برادران جی سر! کسان، مولوی صاحب، کاری گر، امام اور چور وغیرہ	فلپ چارٹ کا استعمال کیا جائے گا جس میں مختلف پیشے کے انسانوں کی تصویریں ہوں گی
اچھا یہ بتائیے نظیرؔ نے لعل و جواہر سے آدمی کی مثال کیوں دی ہے؟	کیونکہ آدمی کی جان بہت قیمتی ہوتی ہے۔	
اچھا یہ بتاؤ ''جان وارنا'' کیا ہے؟	سر! یہ ایک محاورہ ہے۔	
اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟	دوسرا بچّہ : سر۔ اس کا مطلب کسی دوسرے پر جان قربان کرنا۔	

منصوبہ سبق نمبر- 3

ماڈل منصوبہ سبق برائے خرد تدریس۔ مہارت تشریح وتوضیح

Skill of Explaining

متعلم استاد کا نام	:	ا ب ج د	تاریخ	:	00.00.00
ادارہ	:	شعبہ تعلیم و تربیت	جماعت	:	نویں
مضمون	:	اُردو	وقفہ	:	6 منٹ
عنوان	:	نظم	ذیلی عنوان	:	'' قصیدہ ''

متعلم استاد کی سرگرمیاں	طلبا کی سرگرمیاں	تکنیک/مہارت کے استعمال شدہ عناصر

بچّو !اس سے قبل کی کلاس میں ہم نے نظم کی مشہور صنف ''غزل'' سے متعلق گفتگو کی تھی۔کیا آپ نظم کی دوسری اصناف کے متعلق بھی جانتے ہیں؟	جی جناب، نظم کی صنف میں مثنوی، مرثیہ اور رباعی بھی آتی ہیں۔	
ٹھیک ہے، کیا اِن کے علاوہ بھی کوئی صنف نظم ہوتی ہے؟	جی سر۔وہ نظم کی صنف ہے ''قصیدہ'' اور جدید نظم۔	
'قصیدہ' کس نظم کو کہتے ہیں، آپ لوگوں کو معلوم ہے؟	نہیں سر۔مُجھے تو صرف نام معلوم ہے۔	
ٹھیک ہے، آج ہم ''قصیدہ'' کے متعلق مزید جانکاری حاصل کریں گے۔	سر! بہتر ہے۔	قصیدے کے معروف ومشہور شعرا کی تصویریں دکھائی جائیں۔
بچّو! قصیدہ، غزل کے بعد سب سے زیادہ مقبول صنفِ سُخن رہی ہے۔قصیدہ کے لغوی معنٰی: مغز یا گودا کے ہوتا ہے، اصطلاح میں اُس نظم کو ''قصیدہ'' کہتے ہیں جس میں کسی کی تعریف کی گئی ہو یا پھر ہجو یا شکایت کی گئی ہو۔ہجو کے معنی شکایت یا برائی یا تضحیک کرنے کے ہیں۔ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ۔کسی زمانے کی شکایت میں بھی قصیدہ لکھے جاتے ہیں۔ قصیدے میں بڑی شاندار تشبیہات و استعارات والے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔شاعر کا زورِ بیان اور مضمون کی بلندی قصیدے کی خوبی ہے۔ قصیدے میں اشعار کی تعداد کم سے کم 15 اور زیادہ سے زیادہ ایک سو پچاس متعیّن کی گئی ہے۔	سر! یہ ہجو کیا ہوتی ہے؟	لغوی معنی۔لغت سے لیا گیا اصطلاح۔ جو معنی اس صنف میں رائج ہوں اور نام لیتے ہی ذہن اس صنف سخن کی طرف مائل ہو جائے۔
ہاں لمبی تو ہے مگر مثنوی میں اشعار کی تعداد متعین نہیں لیکن قصیدے کے اشعار کی تعداد متعین ہے۔''غزل'' کی طرح ہی قصیدے کا پہلا شعر بھی مطلع کہلاتا ہے۔ قصیدے کے اجزائے ترکیبی میں مطلع، تشبیب، گریز، مدح اور دعاء یا مدّعا عام طور سے شامل کیے جاتے ہیں۔	سر! یہ نظم بھی مثنوی کی طرح ہوگئی؟ سر ! یہ تو بہت اچھا ہوا کہ ہم نے آج نظم کی ایک نئی صنف کے متعلق اچھی جانکاری حاصل کی۔	قصیدے کے اشعار کی تعداد 15 سے 150 تک۔
چلو بہتر ہے، اگلی کلاس میں کسی اور صنف سے متعلق باتیں کریں گے۔		

منصوبہ سبق نمبر- 4

ماڈل منصوبہ سبق برائے خرد تدریس۔مہارت مہیج رشعوری تحریک کا تنوع

Skill of Stimulus Variation

متعلم استاد کا نام	:	ا ب ج د	تاریخ	:	00.00.00
ادارہ	:	شعبہ تعلیم وتربیت	جماعت	:	نویں
مضمون	:	اُردو	وقفہ	:	6 منٹ
عنوان	:	قواعد	ذیلی عنوان	:	اسم تعداد ''عدد''

متعلم استاد کی سرگرمیاں	طلبا کی سرگرمیاں	تکنیک رمہارت کے استعمال شدہ عناصر
بچّو! آپ کیسے ہیں؟	سر! ہم لوگ بہت اچھے ہیں آپ کیسے ہیں؟	
اچھا یہ بتایئے کے آج کتنے بچے غیر حاضر ہیں؟	سر! آج تین بچے غیر حاضر ہیں۔	حاضر۔ 32 غیر حاضر۔03 کل طلبہ۔35
کل کتنے غیر حاضر تھے؟	صرف ایک	
چلو ٹھیک ہے' کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک کو قواعد کی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ (استاد ایک اُنگلی کا اشارہ کرے گا)۔	سر! ایک کو 'Singular' کہتے ہیں۔	فلپ چارٹ کا استعمال کیا جائے ایک انگلی کی تصویر
ارے بھئی! یہ تو انگریزی ہوئی' اُردو میں کیا کہتے ہیں؟	سبھی بچّے اُستاد کی طرف دیکھتے ہیں۔	
'ایک' کو اُردو میں 'واحد' کہتے ہیں۔ پچھلے ہفتے آپ نے 'اسم' کی قسمیں پڑھی تھیں اس میں ایک قسم ''اسمِ عدد'' بھی تھی۔	جی سر! لیکن بات سمجھ میں نہیں آئی۔	
اچھا میں سمجھا تا ہوں ۔ میری طرف دیکھیے (اُستاد ایک ہاتھ کی ایک اُنگلی اور دوسرے ہاتھ کی دو اُنگلیاں سامنے کرتا ہے)		ایک انگلی۔ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کی دو انگلیوں کی تصویر

دیکھیے' اُردو قواعد میں اسم تعداد کی رو سے 'ایک' کو ''واحد'' اور 'ایک' سے زیادہ کو ''جمع'' کہتے ہیں۔ (اُستاد دو انگلیوں والے ہاتھ کے اشارے کو تین اُنگلیاں کر لیتا ہے)	سر! تین کو بھی جمع کہتے ہیں۔	تین انگلیوں کی تصویر
ہاں! ہاں! ایک سے زائد سبھی عدد کو جمع ہی کہتے ہیں' مثلاً (استاد چند اسما کے نام لے گا' ان کی طرف اشارے کرے گا اور رائٹنگ بورڈ پر لکھتا جائے گا) کتاب = کتابیں لڑکا = لڑکے طالب علم = طلبا کمرہ = کمرے		فلپ چارٹ کے ذریعے ان چیزوں کی تصویریں دکھائی جائیں
یہ سب واحد جمع کی مثالیں ہیں	بہت بہتر' سر	
واحد سے جمع بنانے کی بہت اچھی اچھی تراکیب ہیں۔ آپ لوگ اپنی کاپی میں کر کے دیکھیے میں رائٹنگ بورڈ پر چند اشارے بتاتا ہوں۔ (اُستاد 'لڑکا' کی اَلف کو 'ے' سے بدلتا ہے 'بچہ' سے 'ہ' کو 'ے' سے بدلتا ہے)	یہ تو بڑا اچھا طریقہ ہے سر!	فلپ چارٹ میں جمع بنانے کی ترکیب کی تصویر و اشارے ''ا'' کو ''ے'' سے بدل کر
ہاں! واحد سے جمع بنانے کے اور بھی کئی طریقے ہیں جس پر ہم اگلی کلاس میں بات کریں گے	شکریہ! سر۔	

منصوبہ سبق نمبر- 5

ماڈل منصوبہ سبق برائے خرد تدریس۔تقویت کی مہارت

Skill of Reinforcement

متعلم استاد کا نام	:	اب ج د	تاریخ	:	00.00.00
ادارہ	:	شعبہ تعلیم وتربیت	جماعت	:	نویں
مضمون	:	اُردو	وقفہ	:	6منٹ
عنوان	:	نظم	ذیلی عنوان	:	'' قصیدہ ''

متعلم استاد کی سرگرمیاں	طلبا کی سرگرمیاں	تکنیک رمہارت کے استعمال شدہ عناصر
اچھا بچو کل ہم نظم کی کسی صنف پر بات کر رہے تھے(استاد طلبہ کے جواب کو رائٹنگ بورڈ پر نوٹ کر دے گا)	پہلا طالب علم۔ جی سر! نظم کی مشہور صنف قصیدہ پر گفتگو ہو رہی تھی	''قصیدہ''
ٹھیک ہے کیا آپ میں سے کوئی قصیدے کی تعریف بیان کر سکتا ہے۔(استاد جواب دینے والے طالب علم کے پاس جائے گا۔اسے بغور پر مسرت نظر سے دیکھے گا اور کہے گا' بہت اچھا اور اس کی پیٹھ تھپتھپائے گا)	دوسرا طالب علم۔ہاں جناب قصیدہ کے لغوی معنی مغز یا گودا ہوتا ہے لیکن اصطلاح میں اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی کی تعریف یا تضحیک بیان کی گئی ہو۔	قصیدے کے دونوں معنی (لغوی واصطلاحی) لکھے جائیں گے۔
بہتر ہے۔اچھا میں بورڈ پر اس کے دو اجزا لکھتا ہوں' عامر تم بتاؤ کیا یہ ٹھیک ہے	سر ایک تشبیب ہے اور دوسرا گریز ہے۔	
بہت اچھا(استاد: شاباش!تم نے بالکل صحیح جواب دیا) لیکن کیا کوئی اس کے باقی اجزا بھی بتا سکتا ہے؟	دوسرا شاگرد۔جی ہاں اس کے دوسرے اجزائے ترکیبی ہیں مدح اور دعا۔	
اچھا میں قصیدے کے اجزائے ترکیبی ترتیب وار لکھتا ہوں آپ سبھی اسے بہ آواز بلند پڑھیئے اور نوٹ بک میں لکھئے	سر! بہت بہتر	اجزائے ترکیبی ترتیب وار لکھے جائیں گے تشبیب' گریز' مدح' مدعا' دعا

5.8 اشارات سبق (Lession Plan)

عزیز طلبا آپ پچھلے صفحات میں منصوبہ سبق ان کے مقاصد طریقہ کار اوران کے عناصر ونکات کے متعلق معلومات حاصل کر چکے ہیں۔مشقی تدریس کے دوران اورآپ کی عملی تدریس یعنی کمرہ جماعت میں اصل تدریس کے دوران آپ کواشارات سبق تیار کر کے جانا چاہیے۔تاکہ تدریسی مقاصدکوبہتر طریقے سے حاصل کرسکیں۔یہی نہیں اشارات سبق اساتذہ اورطلبادونوں کے لیےاس لیےبھی ضروری ہیں کہ ان سے وقت کی بچت ہوتی ہے،اساتذہ تدریسی نکات پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیتے ہیں اورمقررہ وقت میں آموزش کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔آپ کی سہولت کے لیےگزشتہ صفحات میں اشارات سبق کے پانچ نمونے دیے گیے ہیں امید ہے کہ ان نمونوں کوسامنے رکھ کرآپ اپنے درسی مقاصدکوبہتر ڈھنگ سے حاصل کر سکتے ہیں۔یہاں صرف نثر،نظم،غزل،قواعداورانشا کے اشارات سبق کی نمونے دیے گئے ہیں۔واضح ہوکہ اسباق اورعنوانات کوسامنے رکھ کران میں تھوڑی بہت تبدیلی کی جاسکتی ہے۔لیکن خاکےتبدیل نہ ہوں اس کا خیال رکھیے۔

5.9 یادرکھنے کےنکات

اس اکائی میں آپ نے مطالعہ کیا کہ زبان کا مفہوم کیا ہے۔یہ کس طرح مختلف طریقے سے اضافی بقا کے لیے کام کرتی ہے۔کس طرح علوم وفنون کی ترویج وترقی میں کلیدی کردارادا کرتی ہے۔بتایا گیا کہ روزانہ زندگی میں زبان کی اہمیت کیا ہےاور یہ مہد سے لحد تک انسان کا ساتھ دیتی ہے۔زبان کے ذریعے ہی تعلیم وتعلم کا کام چلتا ہے۔زبان سماجی زندگی میں انفرادی اوراجتماعی دونوں سطحوں پر کس قدر مفیداور کار آمد ہے۔سماج کا ہرفرداوران کے کارناموں کی انجام دہی زبان کے ذریعے ہی ہوتی ہے۔کامیاب افرادتو زبان کے ذریعے ترقی کرتے ہی ہیں ناکارہ انسان بھی زبان کےسہارے،ہی اپنی روزی روٹی کماتے ہیں۔شعرا،ادبامفکرین اورسیاسی رہنماسب کےسب زبان کےسہارے،ہی اپنی خدمات انجام دیتے ہیں۔

ہندوستان کی جدیدزبانوں میں سب سے زیادہ استعمال کی جانے والی اردوزبان،ہند،ایرانی لسانی گروپ سےتعلق رکھتی ہے۔ ہندوستان،ہی نہیں بلکہ بیرونی مما لک کے 100 سے زائدتعلیمی اداروں میں اس کی تعلیم وتدریس کا انتظام ہے۔عصر حاضر میں اس کا شمار دنیا کی بین الاقوامی زبان میں تیسرےنمبر پر ہے۔زبان کی ترسیل شعوری اورغیرشعوری دونوں طرح سے کیا جا تا ہے۔لکھنے پڑھنے والی زبان کےعلاوہ ترسیل زبان کےاوربھی ذرائع ہیں مثلاً اشاروں کی زبان،آواز کی زبان اورعلامتوں کی زبان،سماجی اورمعاشی نظام میں زبان کےان ذرائع سے بہت بڑے بڑےکام لیے جاتے ہیں۔شہری ترقی،شہری ہوابازی،ریلوےاورروڈویز کی آمدورفت کا دارومدار اشاروں کی زبان پر ہے۔ مختلف طریقوں سے ہم آوازوں کی زبان کا بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً خوشی،غم،حیرت استعجاب کی کیفیات کے لیےمختلف طرح کی آواز کی زبان کا استعمال کرتے ہیں۔مختلف طرح کےاوزاروں،مشینوں اورقدرتی آواز سےاس کی ترسیل ہوتی ہے۔علامتوں کی زبان کے ذریعہ ہم طرح طرح کے الفاظ کی تشکیل کرتے ہیں۔قواعد کےتمام قوانین علامتوں کی زبان کی نشاندہی کرتے ہیں۔حروف کےساتھ مختلف طرح کی علامتوں کےاستعمال سےان کی آواز پیدا کی جاتی ہے۔

ہندوستان کی جدیدزبانوں میں معروف زبان اردو ہے۔اس کی تدریس ابتدائی درجات سے اعلیٰ سطح تک کی جاتی ہے۔اردوزبان کو ہندوستان کی متعددریاستوں میں پہلی،دوسری اورتیسری سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔اسے سہ لسانی فارمولہ میں شامل کرکےاسکولی سطح

پر اس کی تعلیم کو یقینی بنایا گیا ہے۔ اردو زبان کی تدریس مادری زبان، ثانوی بان اور بحیثیت تیسری زبان ثانوی سطح تک کی جاتی ہے۔ بچہ اپنی مادری زبان میں بہتر طریقہ سے تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ اس دنیا کے سبھی ماہرین تعلیم نے بچے کی ابتدائی اور ثانوی سطح تک کی تعلیم کو مادری زبان کے ذریعہ دینے کی پرزور وکالت کی ہے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ اس کے لیے طلبا کی ہمت افزائی کریں۔

ثانوی سطح پر اردو کی تدریس کے مقاصد کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ عمومی مقاصد اور خصوصی مقاصد۔ عمومی مقاصد میں آوازوں کو سن کر دہرانا اور اس میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنا شامل ہے۔ اس کے علاوہ ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرنا، زبان کی مختلف علامتوں کو سمجھنا اور اس کا استعمال کرنا گویا اردو سننا اسے سمجھنا اس کو اپنی گفتگو میں استعمال کرنا عام اور درسی کتابیں پڑھنا اور سنی ہوئی پڑھی ہوئی باتیں لکھنا اس کے عمومی مقاصد میں آتے ہیں۔ جبکہ خصوصی مقاصد میں مختلف ادب پاروں میں پیش کیے گئے خیالات کی ترجمانی، تخلیقی اور استحسانی صلاحیت کے علاوہ نثری اور شعری اسلوب میں فرق ان کے اجزائے ترکیبی اور تکنیک وساخت کی پہچان واستعمال، شاعروں اور مفکرین اور اردو زبان وادب کی ترویج وترقی میں معاون تحریکوں اور اداروں کی جانکاری اور ان کے کارناموں کی نشاندہی شامل ہے۔

سبھی درسی اور نیم درسی سرگرمیوں کا انحصار بہتر درسیات اور نصابات پر ہے، اس لیے اردو کا نصاب بھی اس طرح کا ہونا چاہیے کہ طلبا کی علمی تشنگی کو دور کر سکے۔ نصاب کی تدوین کرتے وقت طلبا کی عمر، نفسیات اور سماجی ضرورتوں کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ نصاب کو موجودہ زمانے کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہونا چاہیے۔ گویا نصاب کو ضروریات مرکوز ہونا چاہیے۔ اس میں طلبا اور اساتذہ دونوں کی بہتر کارکردگی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ نصاب لچک دار ہو، مشغلہ مرکوز ہو، ترکیب وترتیب کے لحاظ سے موثر ہو اور اس میں تحقیقی اصول کارفرما ہو۔ اردو زبان وادب کا نصاب خواہ مادری زبان کے طلبا کے لیے ہو یا ثانوی اور تیسری زبان کے طلبا کے لیے مذکورہ نکات کا خاص خیال رکھ کر اسے مفید بنایا جا سکتا ہے۔

منصوبہ بندی تدریسی عمل کی اساس ہے۔ اس کے بغیر درس وتدریس کا عمل مکمل نہیں اور نہ ہی طلبا میں آموزش کا کوئی امکان، سبق کی کامیابی اور مقاصد کے حصول کے لیے بہتر منصوبہ بندی کلید کی حیثیت رکھتی ہے۔ منصوبہ بندی سے طلبا اور اساتذہ دونوں کا وقت بچایا جا سکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی وجہ سے طلبا کی تفہیم اور اکتسابی صلاحیت میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اردو زبان کی تدریس میں مختلف درجات کے لیے اور متعدد اصناف ادب کے لیے ان کی ضروریات کے پیش نظر منصوبہ سبق تیار کیا جاتا ہے۔ ثانوی جماعتوں میں اشارات سبق تیار کرتے وقت زبان سے زیادہ ادب پر توجہ کی جانی چاہیے۔ صرف نثر ونظم کے لیے ہی نہیں بلکہ قواعد وانشا کی تدریس کے لیے اشارات سبق تیار کرنا نہایت ضروری ہے۔ سبق کی منصوبہ بندی میں تین مراحل سبق کے مقاصد کا تعین، موزوں طریقہ تدریس کا انتخاب اور تدریس زبان کی اہم مہارتوں کا انتخاب خاص حیثیت رکھتے ہیں۔ سبق کی منصوبہ بندی میں تیاری، پیش کش، موازنہ، تعمیم، اطلاق، اعادہ، تمہید، طریقہ تدریس، مواد مضمون، بلند خوانی، خاموش خوانی، تدریسی امدادی اشیا کا استعمال، رائٹنگ بورڈ کا استعمال وغیرہ نکات پر خاص خیال رکھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ اعادہ اور تفویض کار یا گھر کے کام کے نکات بھی اہمیت کے حامل ہیں۔

اصل تدریسی عمل کے قبل خرد تدریسی عمل یا Micro Teaching کے عمل سے گزرنا طلبا کی مہارت کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے۔ Micro Teaching کے دوران اگر مطلوبہ درجات کے طلبا میسر نہ ہوں تو ان کی جگہ متعلم اساتذہ کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔ خرد تدریس کے ماڈل لیسن کے دوران مشاہدین مقرر کیے جانے چاہئیں۔ خرد تدریس کا ماڈل لچک دار ہونا چاہیے اور جہاں جیسی سہولیات دستیاب ہوں ان ہی کو کام میں لانا زیادہ موزوں اور بہتر ہے۔ اس کا پورا دورانیہ تیس سے پچاس منٹ کا ہونا زیادہ بہتر ہے۔ یعنی ہر اقدام پر چھ سے دس منٹ

صرف کیے جائیں۔متعلم استاد کے طریقہ تدریس کو ہدایتی طرز عمل اورنگرانی اور مشاورت کے ذریعے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔خرد تدریس متعلم استاد کے لیےایک تربیتی تکنیک ہےاوراسےتقویت پہنچاتی ہے۔اس میں ایک ہی مہارت کا اعادہ کرنا بہتر ہوتا ہے جب تک کہ وہ اس میں پختہ کارنہ ہوجائیں۔خرد تدریس کے منصوبے میں تدریس بعدرسانی مکرر منصوبہ،مکرر تدریس،مکرر بعدرسانی اور پھر منصوبہ بندی کے نکات شامل ہیں۔خرد تدریس میں سمعی بصری آلات اورسی ٹی وی کی مدد سے مشاہدے کوPerfectبنایا جاسکتا ہے۔خرد تدریس میں بہت سی مہارتیں استعمال کی جاتی ہے جن میں تمہید،سوالات،تشریح وتوضیح،تکمیلی ترسیل،سمعی بصری آلات،تختہ سیاہ،تقویت اورتفوضات کے استعمال کی مہارت خصوصی حیثیت رکھتے ہیں۔اس اکائی میں خرد تدریس کے منصوبہ سبق اوراصل تدریس کے اشارت سبق کے ماڈل دیے ہوئے ہیں جن سے آپ خاطرخواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔اسی اکائی میں تدریسی امدادی سامان میں سمعی وبصری وسائل کی قسمیں اوران کے استعمال کے طریقہ کار بتائے گئے ہیں جن کے ذریعے اپنی تدریس کو موثر بنا سکتے ہیں۔سمعی وسائل میں ریڈیو،ٹیپ ریکارڈراورعوامی خطاب کے وسائل شامل ہیں جبکہ بصری وسائل میں رولر بورڈ،رائٹنگ بورڈ،چوک،ڈسٹر،فلم سلائڈ،اوور ہیڈ پروجیکٹر،ماڈل،گلوب،چارٹ،نقشہ،خاکہ،اشتہار،کارڈ اورالیسٹریشن وغیرہ کوشامل کیا جاسکتا ہے۔

5.10 فرہنگ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ترسیل	ارسال،روانگی،ابلاغ	علامت	نشان،Mark،اشارہ،آثار،شناخت کا نشان
موقف	مقام،کھڑے ہونے کی جگہ	مہد	گہوارہ،پالنا،ڈول،جھولنا
لحد	قبر،قربت،مزار	انہماک	مشغول
منہاج	راستہ،راہ،سڑک،شاہراہ	مفقود	گم شدہ،جو پایا نہ جائے،کھویا ہوا
مشیر	مشورہ دینے والا،مصاحب،صلاح کار	تعمیم	عام کرنا،سب کو شامل کرنا
تصحیح	صحیح کرنا،غلطی دور کرنا،املا یا انشا کی درستی،اصل اور نقل کا مقابلہ	تلمیحات	علم بیان کی اصطلاح میں کسی واقعہ کا کلام میں اشارہ کرنا
اطلاق	رواں کرنا،جاری کرنا،کہنا،بولا جانا	بازرسانی	فیڈ بیک
مدح	تعریف، ثناخوانی	ذوق سلیم	اچھا ذوق،خاموش طبیعت،اچھی عادت والا
تحسین	نیکی کے ساتھ نسبت،سراہنا،تعریف کرنا	منہاج	کشادہ راستہ،کھلی سڑک،شاہراہ
پختہ	پکا،مضبوط،قوی،	خشت	اینٹ
تنوع	نوعیت،قسم،ڈھنگ	مبہم	الجھا ہوا،جو سمجھ میں آئے،گول مول بات،مشکوک
استفادہ	فائدہ حاصل کرنا	استحسانی	پسند کرنا،اچھا لگنا
یکجا	ایک ساتھ رکھنا	کلیدی	کنجی،چابی،بنیادی چیز

استعجاب	حیرت کرنا	متعدد	کئی مرتبہ، ایک سے زیادہ دفعہ
سہ لسانی	تین زبانوں میں	ترجمان	نمائندگی کرنے والا، ترجمانی کرنے والا
خمسہ	پانچ	اہداف	ہدف کی جمع، نشانہ
عمودی	سیدھا، خط مستقیم	بے عیب	جس میں کوئی کمی نہ ہو
خرد	چھوٹا، بہت چھوٹا	تعمیم	عام کرنا، ہر ایک کو شامل کرنا

5.11 اکائی کے اختتام کی سرگرمیاں

معروضی جوابات کے حامل سوالات؛

(1) عصر حاضر میں اردو زبان کی حیثیت ________ زبان کی ہوگئی ہے۔

(2) معلومات ________ میدان میں شامل ہے۔

(3) بلوم کے میدان ________ ہیں۔

(4) سلیقہ مندی کا تعلق ________ میدان سے ہے۔

(5) منصوبہ بندی کے ________ مراحل ہے۔

مختصر جوابات کے حامل سوالات؛

(1) روزمرہ زندگی میں زبان کی اہمیت وافادیت بتائیے۔

(2) ترسیل کے لحاظ سے زبان کی اقسام کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

(3) ثانوی سطح پر اردو تدریس کے عمومی مقاصد بیان کیجیے۔

(4) منصوبہ سبق کے افادی پہلو کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

(5) ایک اچھے منصوبہ سبق کے نکات کیا کیا ہونے چاہئیں۔

(6) کمرہ جماعت میں تدریسی امدادی اشیا کا استعمال کب کیا جانا بہتر ہے؟

(7) بلند خوانی اور خاموش خوانی کی خصوصیات بیان کیجیے۔

(8) زبان کی مختلف قسموں کی افادیت بیان کرتے ہوئے طریقہ تدریس میں اس کے استعمال کا جائزہ لیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات؛

(1) ثانوی سطح پر اردو کے نصاب کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

(2) اردو زبان کی ثقافتی اور تہذیبی وراثت پر تبصرہ کیجیے۔

(3) بحیثیت ثانوی زبان کے اردو تدریس کے خصوصی مقاصد پر روشنی ڈالیے۔

(4) مادری زبان سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ بچوں کی تعلیم مادری زبان میں کیوں ہونی چاہیے۔

(5) ہندوستان میں اردو کے موقف کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

(6) خرد تدریس کی اہمیت وافادیت پر نوٹ لکھیے۔

(7) سبق کی منصوبہ بندی کے مراحل بیان کیجیے۔

5.12 تجویز کردہ مواد

1 ڈاکٹر ریاض احمد، تعلیم وتدریس کے روشن پہلو، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی (2011)

2 قومی درسیات کا خاکہ -2005، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

3 نیشنل فوکس گروپ کا پوزیشن پیپر برائے ہندوستانی زبانوں کی تدریس، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی (2010)۔

4 معین الدین، اردو زبان کی تدریس، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی (1988)۔

5 فرمان فتح پوری، تدریس اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان (1986)۔

6 انعام اللہ خان شیروانی، تدریس اردو، مارکوئس اسٹریٹ، کلکتہ (2003)۔

7 ریاض احمد، اردو تدریس، جدید طریقے اور تقاضے، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی (2013)۔

8 شفیع احمد صدیقی، اردو زبان وقواعد (حصہ اول/دوم) مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی (1988)۔

9 محمد اختر صدیقی، تدریسی آموزشی حکمت عملیاں، شعبہ تعلیم، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی (2004)۔

Model Question Paper / نمونۂ امتحانی پرچہ

اردو کی تدریسیات

جملہ نشانات : Maximum. Marks 70	Time : وقت : 3 Hrs گھنٹے

ہدایات:

یہ پرچہ سوالات تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃ ہے۔

تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

1. حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات/ خالی جگہ پُر کرنا/مختصر جواب والے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔ (10 x 1 = 10 Marks)
2. حصہ دوم میں 8 سوالات ہیں، اس میں سے طالب علم کو کوئی پانچ سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً دوسو (200) لفظوں پر مشتمل ہے۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبرات مختص ہیں۔ (5 x 6 = 30 Marks)
3. حصہ سوم میں 5 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی تین سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً پانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔ (3 x 10 = 30 Marks)

حصہ اول

سوال : 1

(i) ہندوستانی آئین میں اردو زبان کو کس شیڈیول میں رکھا گیا ہے؟

(A) شیڈول پانچ (B) شیڈول چھ

(C) شیڈول سات (D) شیڈول آٹھ

(ii) ہندوستان کی کس ریاست میں اردو کو پہلی ریاستی زبان کا درجہ حاصل ہے۔

(A) کشمیر (B) بہار

(C) بنگال (D) ان میں کوئی نہیں

(iii) فورٹ ولیم کالج کو جان گلکرسٹ نے کب قائم کیا؟

(A) 1946 (B) 1956

(C) 1920 (D) 1800

(iv) جس نظم میں مدح یا مذمت کی جائے اس نظم کو کہتے ہیں۔

(A) قصیدہ (B) مرثیہ

(C) رباعی (D) غزل

(v) اردو زبان کی بنیادی مہارتیں ہیں؟

(A) دو (B) چار

(C) تین (D) بنیادی مہارتیں نہیں ہیں

(vi) خود تدریسی عمل ہے۔

(A) معاشرہ کا (B) اساتذہ کی تربیت کی

(C) تاریخی پس منظر کا (D) مستقبل کا

(vii) بابائے اردو کس کو کہا جاتا ہے؟

(A) سرسید احمد خاں (B) مولوی عبدالحق

(C) اقبال (D) محمود شیرانی

(viii) قلی قطب شاہ کا تعلق ہے؟

(A) دکن سے (B) دہلی سے

(C) لکھنؤ سے (D) کہیں سے نہیں

(ix) جس شعر میں شاعر اپنا تخلص لاتا ہے اسے کہتے ہیں؟

(A) مطلع (B) مقطع

(C) حسن مطلع (D) ان میں سے کوئی نہیں

(x) سوال جواب کا طریقہ ایجاد کیا؟

(A) کلپیٹرک نے (B) پلیٹو

(C) سکرات (D) ماریا مونٹیسری نے

حصہ دوم

2. انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے مادری زبان کے افعال بیان کریں۔

3. اردو نثر کے معنی، مفہوم اور اصناف بیان کیجیے۔

4. اردو نظم کی تعریف بیان کرتے ہوئے نظم اور غزل کے درمیان فرق واضح کریں۔

5. اردو زبان کے ارتقا کے سلسلہ میں محمود شیرانی کا نظریہ پیش کریں۔

6. خوردتدریس کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے اس کی پانچ مہارتوں پر روشنی ڈالیں۔

7. استقرائی واستخراجی طریقہ تدریس میں مثالوں کے ذریعہ فرق واضح کریں۔
8. اردو زبان کی بنیادی مہارتوں کا تعارف پیش کیجیے اور سماعت کو فروغ دینے والے عوامل پر روشنی ڈالیے۔
9. بلوم کے مقاصد کی درجہ بندی میں ذہنی علاقہ کو وضاحت کے ساتھ پیش کیجیے۔

حصہ سوم

10. اردو زبان کی تدریس کے عام مقاصد وخاص مقاصد کا موازنہ پیش کیجیے۔
11. اردو زبان کی تدریس کے منصوبہ سبق کے مختلف مراحل اور ان کی نوعیت پیش کیجیے۔
12. اردو معلم کی تربیت میں خود تدریس کے اقدامی عمل کو بیان کیجیے۔
13. اردو نثر اور اردو نظم کی تدریس میں مثالوں کے ذریعہ فرق واضح کیجیے۔
14. درجہ میں ایک اردو استاد درس و تدریس کے کون سے اصولوں کا پابند رہتا ہے اور کیوں؟

☆☆☆